خوانِ پُر نعمت

ملفوظ

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسیؒ

جامع

حضرت زین بدر عربی فردوسیؒ

مترجم

محمد علی ارشد شرفی فردوسی

خوان پُرنعمت

ملفوظ

حضرت مخدوم جہاں

شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری فردوسیؒ

جامع

حضرت زین بدر عربی فردوسیؒ

مترجم

محمد علی ارشد شرفی فردوسی

نام کتاب	**خوان پُر نعمت**
ملفوظ	حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری فردوسیؒ
جامع	حضرت زین بدر عربی فردوسیؒ
اردو ترجمہ	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی فردوسی مدظلہ العالی
اشاعت اول	۱۴۰۹ھ -----۱۹۸۹ء
اشاعت دوم	۱۴۳۵ھ -----۲۰۱۴ء
تقدیم وترتیب	احمد غزالی Ahmad Ghajali
کمپوزنگ	فردوسی کمپیوٹر سنٹر، گلزار ابراہیم، بھینساسور، بہار شریف
تعداد اشاعت	ایک ہزار (۱۰۰۰)
طباعت	
صفحات	229
قیمت	150/-
رابطہ	+91-9905319932 .9905377925

شرف الاشاعت،

خانقاہ بلخیہ فردوسیہ

گلزار ابراہیم، بھینساسور، بہار شریف (۸۰۳۱۰۱) نالندا (بہار)

باسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری فردوسی قدس اللہ سرہٗ (م ۱۳۸۰ء) کے ملفوظ "خوانِ پُرنعمت" کا اردو ترجمہ پہلی بار ۱۹۸۹ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ تقریباً ۲۵ سال کی اس طویل مدت میں اِس کی افادیت واہمیت اور باذوق حضرات کے بار بار تقاضے کے باوجود اِس کو دوبارہ اشاعت پذیر ہونے کا موقع نہیں ملا۔

اُمتِ مسلمہ کے طلب صادق کو دیکھتے ہوئے ادارہ "شرف الاشاعت" نے اِس کے طبع ثانی کا بیڑا اٹھایا ہے۔ خوانِ پُرنعمت (اردو) کی پہلی طباعت میں جو غلطیاں اور خامیاں رہ گئی تھیں پیشِ نظر کتاب میں حتی الامکان اُن کو دور کرنے اور اِن کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔ طبع اول میں طوالت کے خیال سے اشعار کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا تھا لیکن اس دفعہ اشعار کے ترجمے بھی شامل ہیں، کتاب کے آخر میں اشاریہ بھی دے دیا گیا ہے۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اُس نے اپنے دوستوں کی تعلیمات کی ترویج واشاعت اور فردوسی مشن کو عام کرنے کی سعادت بخشی ہے۔

خدا کرے اِسے شرف قبولیت حاصل ہو اور یہ ادارہ حضرت مخدوم جہاں اور پیرانِ سلاسل رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے علمی سرمائے کو خوب خوب پھیلانے میں روز افزوں ترقی کرے۔

ادارہ شرف الاشاعت اُن حضرات کا بھی ممنون ومشکور ہے اور اُن کے لئے دعا گو ہے جنہوں نے اِس کی کمپوزنگ، تزئین وطباعت اور اشاعت میں اپنی خدمات پیش کیں۔

آمین

فہرست

تقریظ طبع اول

از:- پروفیسر سید وحید اشرف، صدر شعبہ عربی، فارسی، اردو مدراس یونیورسٹی

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں مقربان و محبوبان الٰہی کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہی صفات ان فرزندانِ اسلام میں پائی جاتی ہیں جو عام طور سے صوفیا کے نام سے مشہور ہیں اس لئے لفظ صوفی اور لفظ ولی اللہ کا مفہوم ایک ہی ہے۔ لیکن جس طرح ولی اپنی ولایت کا دعویٰ نہیں کرتا خواہ بعض حالات میں کسی ولی کو اپنی ولایت کا علم بھی ہو اسی طرح وہ اپنے صوفی ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ صوفی ہونے کا دعویٰ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ولایت کا مدعی ہے لیکن اہلِ دل پر اس کے احوال و آثار سے یہ منکشف ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہے۔ اس کی زندگی، اس کے قول و فعل، حرکات و سکنات، تاثیر کلام، کشف باطن، تزکیہ نفس کے سبب اس کی نورانیت، اس کی علمی بصیرت اور اس کے سارے ہی احوال اس کے مقرب الی اللہ ہونے پر گواہی دیتے ہیں۔ انہیں بزرگوں میں سے اسلام کی ایک جلیل القدر شخصیت کا نام حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ جو مخدوم جہاں کے لقب سے مشہور ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں کے حالات، ان کی سیرت، ان کے احوال اور ان کی تصانیف پر لکھنے کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہوگی۔ کچھ کتابیں ان پر لکھی جا چکی ہیں لیکن انہیں بھی کافی نہیں کہا جا سکتا۔ آپ کی زندگی کا ایک نہایت اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے تصنیفات، مکتوبات

اور ملفوظات کا ایک ایسا گراں بہا ذخیرہ چھوڑا ہے جن کی افادیت آج بھی ویسی ہی ہے جیسے اس زمانے میں تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ آپ کی تحریروں میں آپ کی علمی بصیرت، روحانی کیفیت اور ادراک حقیقت آپ کے عارف ربانی ہونے کا واضح طور پر پتا دیتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کے دل پر معرفت کا دروازہ کھول دیا ہے اور عالم غیب سے معانی کا نزول ہو رہا ہے۔ اندازِ بیان اتنا سلیس اور دلنشیں ہے کہ بات دل میں اتر جاتی ہے۔ نہ کہیں کوئی غموض ہے نہ پیچیدگی اور نہ الجھاؤ۔ دقیق سے دقیق مسئلہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مسئلہ کی گرہ آسانی سے کھل جاتی ہے اور سمجھانے کے لئے ایسی آسان مثالیں پیش کرتے ہیں کہ جنہیں ذہن فوراً قبول کر لیتا ہے۔ یوں تو تصوف پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان میں ایسی کتابیں بھی ہیں جو علم تصوف میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں لیکن وہ مخصوص لوگوں کے لئے ہی ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کی تصنیفات عوام و خواص سب کے لئے مفید ہیں۔ وہ شریعت اور طریقت کے مسائل کو ایسی نکتہ سنجی اور روحانی بصیرت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے اور سننے والا اس میں ایک کیفیت محسوس کرنے لگتا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں نے صرف عوام کے فائدے کی غرض سے بھی چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھی ہیں جو وعظ کے طرز پر ہیں۔ اس میں انہوں نے عوام کو دین کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا ہے اور ان کو عمل کے طرف راغب کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل ان کی تمام تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف اسی لئے لکھتے ہیں کہ پڑھنے والوں کے دل عمل کے طرف مائل ہو جائیں۔ اس سے ظاہر ہے آج حضرت مخدوم جہاں کی تصنیفات کو عوام و خواص میں پھیلانے کی پہلے سے بھی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کو محسوس کر کے محبی سید سیف الدین فردوسی نے حضرت مخدوم جہاں کی فارسی تصانیف کو اردو جامہ پہنانے کا

انتظام کیا۔ بعض کتابوں کا ترجمہ محترم حکیم سید قسیم الدین احمد شرفی مدظلہٗ نے کیا تھا مگر جتنا کام اور جس قدر اشاعت کی ضرورت تھی وہ نہ ہوسکا۔ اب سیف الدین فردوسی کے زیر انتظام ایک ادارہ کا قیام عمل میں آچکا ہے اور چند کتابیں اردو میں ترجمہ ہوکر شائع ہوچکی ہیں اور ان کے عم مکرم ورفیق کار، محبی ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی مترجم کا فریضہ انجام دے رہے ہیں انہوں نے خوبی کے ساتھ حضرت مخدوم جہاں کے۔ بہت سے مکتوبات کا ترجمہ اردو میں کیا ہے۔ خوانِ پُرنعمت کا یہ ترجمہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ کہیں کوئی الجھاؤ نہیں ہے پڑھنے والا نہایت آسانی سے بات سمجھتا چلا جاتا ہے کتاب کے شروع میں فاضل مترجم نے کتاب کا تعارف بھی کرایا ہے جس کے پڑھنے سے کتاب کے موضوعات کا اندازہ ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ کتاب طرح طرح کے دینی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے اور ہر سوال ایک الگ موضوع کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر موضوع کے تحت بہت سے نکات ہیں اس لئے اس کا پورا تعارف پوری کتاب پڑھنے سے ہوگا۔

راقم خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ایک سیمینار میں شرکت کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ یہیں محبی سیف الدین صاحب سے ملاقات ہوئی اور اس ترجمہ پر ایک تقریظ لکھنے کی فرمائش کی۔ ہجوم مصروفیات میں کتاب کو بالاستیعاب پڑھنا ممکن نہ ہوسکا۔ کتاب پر ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ بڑی مشکل سے کچھ وقت نکال کر یہ سطریں لکھ دیں لیکن حضرت مخدوم جہاں کی تحریریں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ ان میں خود ہی وہ کشش، روشنی، افادیت اور جاذبیت ہے جو قاری کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو حضرت مخدوم جہاں کی کتابوں کو پڑھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین!

بِسۡمِ اللّٰہِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ

مکتوبات بست وہشت کے ترجمہ کے بعد "**خوان پُر نعمت**" کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

یہ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس اللہ سرہٗ کا وہ ملفوظ ہے جو معدن المعانی کی تکمیل کے بعد جمع کیا گیا ہے اور حضرت مخدوم جہاںؒ کے خادم خاص حضرت زین بدر عربی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مخدوم سے جو کچھ سنا اور سمجھا اس کو لفظاً اور معناً لکھ لیا۔ اس ملفوظ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے آغاز و اختتام کی تاریخ بھی اسی کتاب کے دیباچہ میں درج ہے جس سے یہ اطلاع بھی فراہم ہو جاتی ہے کہ یہ ملفوظ اس عہد کا

ہے جب حضرت مخدوم تقریباً نوے سال کی عمر میں تھے۔ حضرت مخدوم کا سال ولادت ۶۶۱ ہجری مطابق ۱۲۶۳ء اور سال وفات ۷۸۲ ہجری مطابق ۱۳۸۰ء ہے اور یہ ملفوظ ۱۵ر شعبان ۷۴۹؁ھ ہجری سے آخر ماہ شوال ۷۵۱؁ھ ہجری (۹ر اکتوبر ۱۳۴۸؁ء تا ۳۱ر دسمبر ۱۳۵۰؁ء) کی درمیانی مدت کا ہے۔ اس طرح یہ ملفوظ حضرت مخدوم جہاںؒ کے وصال سے تیس ۳۰ سال قبل جمع کیا گیا ہے۔

حضرت زین بدر عربی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جس خدمت کے لئے پیدا کیا تھا یہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔ انہوں نے تقریباً ستائیس (۲۷) مہینے کی یہ ڈائری مرتب کی جس کا تعلق حضرت مخدومؒ کی علمی مجالس سے ہے۔ مُریدوں اور عزیز شاگردوں کے ذریعہ جو علمی اور روحانی سوالات ہوئے اور حضرت مخدوم کی طرف سے جو جوابات ملے ان کو حضرت زین بدر عربی رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند کر لیا اور کتابی شکل دے کر ''**خوانِ پُر نعمت**'' اس کا نام رکھا۔ حقیقت میں یہ علمی و روحانی نعمتوں کا ایک خوان ہی ہے جس میں قُرآن کریم کی تفسیر بھی ہے اور احادیث بھی، فقہ بھی ہے اور اصول فقہ بھی، قصص انبیاء بھی ہے اور حکایات صحابہ بھی، معجزات بھی ہیں اور کرامات بھی، بزرگوں کے اقوال بھی ہیں اور اولیاء کے احوال بھی، ایمان و ایقان کے دلائل بھی ہیں اور اخلاق و احسان کے مباحث بھی۔

اس ملفوظ سے وحی، الہام، استعداد، قابلیت، ولایت، وصول، خضوع و خشوع، تلون و تلوین، جسم و روح، مشیت و ارادہ، حد تصرف، رویت الٰہی، کشفِ روحی، کشفِ الٰہی، ولدان و غلمان، پیر خرقہ، پیر بیعت، پیر تربیت، پیر صحبت، فرض لازم، فرض زوائد کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور مذکورہ اصطلاحات پر عالمانہ و عارفانہ انداز سے گفتگو کی گئی ہے۔

یہ ملفوظ حضرت مخدوم جہاںؒ کی سینتالیس (۴۷) تدریسی نشستوں کی روداد یا ڈائری ہے جس کو جامع نے مجلس کا نام دیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ۴۷ مجالس پر مشتمل ہے اور ابتداء میں جامع کا ایک مختصر دیباچہ بھی ہے۔

جس طرح حضرت مخدوم کو امت کی اصلاح کی فکر تھی اسی طرح آپ کی بارگاہ کے خوشہ چیں بھی اس کے لئے فکر مند رہے، جامع ملفوظ ہذا حضرت زین بدر عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملفوظ کو اپنے زور قلم اور انشا پردازی کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ان کی پُر خلوص کوشش یہی رہی کہ جو اس راہ کے اہل ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے ان کی مدد ہو۔ ان کے کاموں میں استعانت پیدا ہو اور جو نا اہل ہیں ان کو رغبت اور تحریک حاصل ہو تاکہ حبل المتین کے رشتہ سے منسلک ہو جائیں اور دونوں جہان کی نعمتوں سے اپنے دامن مقصود کو بھر لیں۔ جیسا کہ دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

> ”چہ لفظ عین عبارت وچہ معنی آں در سلک کتاب آوردہ شد تا اہل را از مطالع آں مددے روئے نماید ومعونتے در کار پیدا آید وتا اہل را رغبتے وحرکتے روئے نماید۔ وہر درماندہ کہ محتاج کار دین بود در رشتہ حبل متین چنگ درزند ونعمت جمعیتن برگیرد۔“

آئیے اب اس کتاب کے چند مختصات پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیں:۔۔۔

اس ملفوظ کی پہلی اور ساتویں مجلسوں میں حضرت مخدوم جہاں کی علالت اور لوگوں کی مزاج پرسی کا ذکر ہے۔ پہلی مجلس میں غلبک افغان عیادت کے لئے آئے ہیں اور ساتویں مجلس میں حاجی ابوسعید نے مزاج پرسی کی ہے۔

چھٹی مجلس میں نااہل مفتیوں کی مذمت کی گئی ہے اور حضرت مخدوم نے صاف لفظوں میں یہ فرمادیا ہے کہ جس کو تفسیر و حدیث پر عبور حاصل ہو وہی فتویٰ لکھ سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو صاحب دین ہیں، مقتدائی اور رہبری کے لائق ہیں اور قابل اعتماد ہیں ان کی بات قبول کرنے کی ہیں لیکن ہر شخص کی بات اعتبار کی نہیں ہوتی۔ اب تو یہ حال ہے کہ ہدایہ اور بزودی پڑھ کر مفتی بن گئے اور فتویٰ لکھنے لگے اگر ایسے لوگوں سے عقیدہ اور معرفت کا کوئی مسئلہ پوچھئے تو جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ نہ اُن کے دین کا ٹھکانا اور نہ ان کو دانشمندی حاصل، پھر ایسے لوگوں کا اعتبار ہی کیا جو قرآن و حدیث کے معانی سے واقف ہیں وہ یہ جان سکتے ہیں کہ یہ روایت کس جگہ ہے اور اس کا اطلاق کہاں ہوگا۔ اس زمانہ میں اگر مفتیوں سے حدیث پوچھئے تو یہ جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ اور اصل بات یہی ہے کہ تفسیر و حدیث پر عبور اور نظر ہونی چاہیئے، اس وقت وہ فتویٰ لکھ سکتا ہے اور فتویٰ وہی ہے، جو قرآن و حدیث سے اخذ کیا گیا ہو۔ حدیث کا علم ایک مشکل علم ہے۔ قرآن کی ساری باتیں اس میں موجود ہیں۔ جب تک ان سب کو نہیں جانے گا کسی ایک حدیث کا بھی معنی بیان نہیں کرسکتا۔ ہاں! حدیث کا معنی وہی بیان کرسکتا ہے جو قرآن کے معانی و مطالب پر حاوی ہو، اگر کوئی حدیث اس کے سامنے آجائے تو اس کو قرآن سے دیکھے اگر قرآن کے موافق پائے تو قبول کرے۔ اگر قرآن کے مخالف ہو تو اسے قبول نہیں کرے۔ جو شخص قرآن کے معنی اور تفسیر ہی کو نہیں جانتا ہے وہ اس سے مقابلہ کیسے کرے گا۔

خدمت خلق نعمت و رحمت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کے متعلق بے شمار وعدے ہیں۔ اس کتاب کی اکثر مجالس میں خدمت خلق اور مسلمانوں کی

حاجت روائی کا درس دیا گیا ہے۔ دسویں مجلس میں جب قاضی اشرف الدین نے دریافت کیا کہ نماز و روزہ مجاہدہ و ریاضت سے سلوک تو حاصل ہوتا ہے لیکن مخلوق کی خدمت اہل و عیال کے لئے کسب معاش اور مسلمانوں کی حاجت روائی سے سلوک کی راہ طے ہوتی ہے یا نہیں؟ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہاں! ان کاموں میں بھی سلوک ہوتا ہے اور ان سے بھی ترقی ہوتی ہے۔ خدمت خلق کی فضیلت چالیسویں مجلس میں بھی بہت ہی شد و مد کے ساتھ ہے حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خدمت بھی عجیب کام ہے۔ نعمت و رحمت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اتنے سارے وعدے آئے ہیں جو شمار میں نہیں آسکتے۔ اس کے بعد کافی مبالغہ کے ساتھ فرمایا کہ خدمت بھی ایک نادر کام ہے ایک بڑا کام ہے۔ مَنْ خدم خدم (جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا)۔ سولہویں مجلس میں نہ صرف خدمت کی تعریف کی گئی ہے بلکہ اس سلسلہ میں حضرت مخدوم جہاںؒ کا خود کیا عمل رہا اس پر بھی روشنی ملتی ہے۔ خواجہ ممن ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس میں حاضر ہیں۔ جب کسی نے حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ خواجہ ممن ملتانی مسلمانوں کے بہت کام آتے ہیں اور ان کے کاموں کو انجام دیتے ہیں تو حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بہت اچھا کام ہے اور بہت بڑی دولت ہے۔ سیکڑوں نماز و روزے ایک طرف اور مومن کی حاجت روائی ایک طرف۔ مسلمانوں کے کاموں کو انجام دینا اور مخلوق کے کاموں کے لئے کوشش بہت بڑی دولت ہے، یہ پیغمبروں کی سنت ہے جنہوں نے خدمت خلق کی ہے اور ان کی پریشانی و مصیبت کو اپنے سر لے لیا ہے، اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں حجرۂ قدیم میں تھا اس زمانہ میں یہاں ایک حاکم تھا جس کا سلوک لوگوں کے ساتھ بہتر نہیں تھا اکثر لوگ میرے پاس آتے کہ میرا کام کرا دیجئے اور میرے لئے سفارش کر دیجئے، میں ہر ایک

کے لئے سفارش کرتا اور سفارشی خط لکھ دیتا۔ یہاں تک کہ اس کام کے لئے لوگوں کا ہجوم امنڈ آیا کسی کسی وقت بشریت کی وجہ سے میں تنگ بھی آجاتا۔ شیخ زادہ چشتی سلمہٗ اس زمانہ میں یہیں تھے جس وقت سفارشی خط کے لئے لوگوں کا ہجوم امنڈ رہا تھا اتفاق سے وہ اس وقت میرے یہاں آئے ہوئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کام میرے لئے مشکل ہو جاتا ہے اور میں تنگ آجاتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ آپ تنگ آجاتے ہیں ہر گز تنگ نہ ہوں، لوگوں کی اس مصیبت کو برداشت کریں۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے درس دینے کا کیا انداز تھا اور اپنے عزیز مریدوں و شاگردوں کو کس طرح اسباق ذہن نشیں کراتے تھے۔ اس ملفوظ کی آٹھویں مجلس میں ملاحظہ فرمائیں، قابل کی تعریف گفتگو کا عنوان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو مفہوم اور مطالب کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہی قابل ہے۔ جس طرح طلباء میں کوئی تیز اور ذہین ہوتا ہے اگر اس کو پڑھایا جائے تو اخذ کر لیتا ہے اور اشارہ سے سمجھ لیتا ہے ایسے ہی طالب علم کو قابل کہتے ہیں۔ یعنی جو کچھ سنتا ہے اس کو قبول کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری مثال یہ ہے کہ دو مکان ہے ایک میں نقاشی کرتے ہیں تو نقش و نگار ابھرتا ہے اور دوسرا مکان سیاہ کھردرا ہے اس پر نقاشی کی جاتی ہے تو کوئی نقش نہیں ابھرتا وہ نقش و نگار کو قبول ہی نہیں کرتا۔ پھر حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے کاغذ کی مثال دے کر سمجھایا کہ جس کاغذ پر نقش و نگار بنایا جاتا ہے پہلے اس کاغذ کی زمین پر وہ رنگ چڑھا دیا جاتا ہے جو نقاشی کے لئے مخصوص ہے اس کے بعد نقش و نگار بنایا جاتا ہے یعنی کاغذ کو نقش قبول کرنے کے قابل بنا دیا گیا۔ اس کے بعد انگوٹھی کی مثال دی کہ اگر مٹی یا موم پر مہر والی انگوٹھی کو دبائیں تو مہر اُبھر آئے گی لیکن اگر پتھر پر دبائیں تو مہر نہیں ابھرے گی۔ قابلیت اور عدم قابلیت کو مزید ذہن نشیں کرانے کے لئے جہاں

اس وقت تشریف فرما تھے اس صحن، حجرہ، اس کی دیوار، چھت اور دھوپ یعنی سورج کی روشنی وغیرہ کی مثال دے کر سمجھایا۔

اتباع شریعت کے اسباق سے اس کتاب کا کوئی صفحہ خالی نہیں۔ ایسا شخص جو طریقت کا دعویدار ہے اور اس کے اعمال شریعت کے مطابق نہیں ہیں تو اس کو طریقت سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوسکتا اور وہ اسفل السافلین میں پہنچ گیا ہے جہاں سے اس کا باہر نکلنا دشوار ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو جاتی ہے تو شریعت کی پابندی باقی نہیں رہتی ان پر تو حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں خدا کی پھٹکار بھیج چکے ہیں۔ بعض شخص نماز ترک کر دیتے ہیں اور ترک نماز کے لئے یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ نماز، روزہ اور دوسری عبادتیں اس وقت تک ہیں جب تک مطلوب و مقصود حاصل نہ ہوا۔ جب مطلوب و مقصود تک رسائی ہوگئی تو پھر یہ ساری حاجتیں ختم ہوگئیں اس لئے کہ یہ سب وسائل اور ذرائع ہیں۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ سترہویں مجلس میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر نماز کا مقصد صرف وسیلہ اور ذریعہ ہی ہے تو یہ بات ٹھیک سمجھی جاتی لیکن نماز کا معنی اور مقصد کچھ اور بھی ہے جس کو نہ تم جانتے ہو اور نہ میں جانتا اور اس مقصد تک ہماری رسائی نہیں ہوئی ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ پھر فرماتے ہیں کہ ایسا خیال رکھنے والوں کو توبہ اور استغفار کرنا چاہئے اس لئے کہ تمام علماء اور مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام جو سب سے زیادہ واصل بحق تھے وہ بھی نماز کے پابند رہے اور ہمیشہ پڑھتے رہے۔ علماء اور مشائخ بھی ترک نماز کے قائل نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک مدلل تقریر فرمائی۔

اس ملفوظ میں جہاں حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ، حضرت یعقوب، حضرت یوسف اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے احوال و اقوال ہیں وہیں حضرت ابوبکر صدیق،

حضرت معاویہ، حضرت عثمان، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ حضرت مخدوم نے اپنے استاد حضرت شرف الدین ابو توامہؒ کی علمی عظمت کا اظہار بھی شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے اور اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ نجیب الدین فردوسیؒ کے بھانجا حضرت وحید الدین چلہ کشؒ کا تعارف بھی پُر وقار طور پر کرایا ہے۔

مؤلف تاریخ سلسلۂ فردوسیہ جناب معین دردائی مرحوم نے لکھا ہے کہ ''حضرت سید وحید الدین عرصہ تک مخدوم الملک کی خدمت میں رہ کر علوم باطنی اور ظاہری حاصل کر لینے کے بعد اپنی سکونت موضع سنہرا (من مضافات قصبۂ ارول) میں اختیار کی۔ سلطان فیروز تغلق کو جب وہاں آپ کے قیام کا پتا چلا تو اس نے عقیدت مندی میں آپ کے لئے خانقاہ تعمیر کرادی اور خانقاہ کے اخراجات کے لئے سنہرا نذر کیا۔ حضرت وحید الدین کا مزار اقدس خانقاہ سنہرا سے تقریباً پانچ میل دور ایک خاص جگہ میں ہے جہاں آپ اپنی زندگی میں اکثر چلہ کش ہوا کرتے تھے۔ وہ جگہ آج بھی مرجع خاص و عام ہے اور بدر آباد کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۱/ ذی الحجہ کو آپ کا عرس ہوا کرتا ہے'' (ص ۲۴۲)

حضرت سید وحید الدین چلہ کشؒ کی شادی حضرت مخدوم جہاںؒ کی پوتی بی بی بارکہ (بنت حضرت مخدوم زکی الدین) سے ہوئی جن کی پرورش حضرت مخدوم جہاںؒ کے سایۂ شفقت میں ہوئی تھی۔

خانقاہِ معظم کے موجودہ سجادہ نشیں حضرت جناب حضور سید شاہ محمد امجاد فردوسی مدظلہ (جن کا وصال ۲۳/ صفر) اور اس خاکسار مترجم کا سلسلۂ نسب نسلاً بعد نسل حضرت سید وحید الدین چلہ کشؒ سے ملتا ہے اور اولاد ہونے کا شرف ابن ابن حاصل ہے جسے یہاں درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔[1]

نسب نامہ

حضرت وحید الدین چلہ کشؒ و بی بی بارکہؒ

حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام

حضرت سیدنا امام زین العابدین

حضرت سیدنا امام محمد باقر

حضرت سیدنا امام جعفر صادق

حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم

حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا

حضرت سیدنا امام محمد تقی

حضرت سید موسیٰ

حضرت سید عباس

حضرت سید حسن

حضرت سید علاء الدین

حضرت امام تاج فقیہہ

حضرت اسرائیل

حضرت شیخ یحیٰ منیری

حضرت مخدوم شرف الدین احمد

حضرت مخدوم زکی الدین

حضرت سید وحید الدین --- زوج --- حضرت بی بی بارکہ

حضرت شاہ علیم الدین

حضرت شاہ امام الدین

حضرت شاہ بھیکھ سجادہ مخدوم جہاںؒ

حضرت شاہ بھیکھ سجادۂ مخدوم جہاںؒ

حضرت شاہ جلال سجادۂ مخدوم جہاںؒ

حضرت شاہ اخوند سجادۂ مخدوم جہاںؒ

حضرت شاہ محمد سجادۂ مخدوم جہاںؒ

حضرت شاہ احمد سجادۂ مخدوم جہاںؒ

حضرت دیوان شاہ علی سجادۂ مخدوم جہاںؒ

حضرت شاہ عبدالسلام سجادۂ مخدوم جہاں	حضرت شاہ مصطفیٰ
حضرت شاہ زکی الدین ,,	حضرت شاہ قطب الدین
حضرت شاہ وجیہہ الدین ,,	حضرت شاہ نظام الدین
حضرت شاہ بدیع الدین ,,	حضرت شاہ مصطفیٰ
حضرت شاہ علیم الدین ,,	حضرت شاہ غلام مرتضیٰ
حضرت شاہ ولی اللہ ,,	حضرت شاہ غلام غوث
حضرت شاہ امیر الدین ,,	حضرت شاہ احمد علی
حضرت شاہ امین احمد ,,	حضرت شاہ واحد علی
حضرت شاہ برہان الدین ,,	حضرت شاہ علی ارشد
حضرت شاہ محمد حیات ,,	حضرت شاہ علی مظہر عرف تجمل حسین
حضرت شاہ محمد سجاد ,,	حضرت شاہ محمد ابراہیم حسین
حضرت شاہ محمد امجاد ,,	حضرت شاہ قسیم الدین احمد
حضرت شاہ محمد سیف الدین ,,	شاہ محمد علی ارشد شرفی

اس ملفوظ میں تفسیر کبیر اور تفسیر امام زاہد کا تقابلی مطالعہ بھی ہے اور حضرت مخدوم جہاںؒ کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کے لئے کس طرح کی تفسیر کافی ہے۔ حضرت مخدوم نے رازی کی تفسیر کبیر مطالعہ کے لئے قاضی منہاج الدین صاحب کے یہاں سے منگوائی تھی اور ابھی صرف پہلی جلد کا مطالعہ شروع کیا تھا کہ اس کی طوالت کو دیکھ کر طبیعت اچٹ گئی اور مختصر مطالعہ کے بعد ہی کتاب واپس کر دی۔ ہاں! تفسیر امام زاہد سے حضرت مخدوم جہاں بہت زیادہ مطمئن ہوئے اس لئے کہ اس تفسیر میں دین کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے سب کچھ موجود ہے اور یہ بہت طویل بھی نہیں ہے۔ خوان پرنعمت کی انچالیسویں مجلس کی اس عبارت سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ تعلیم گاہوں کے نصاب میں ایسی کتابیں شامل نہ کی جائیں جو اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت طویل ہوں اور طلباء کے لئے بوجھ بن جائیں۔

تعلیم گاہوں میں اسباق کے لئے نظام الاوقات (Routine) کا رواج عام ہے اور اسی کے تحت تعلیم دی جاتی ہے اس کی ابتدا کب سے ہوئی اس پر تو مجھے کچھ لکھنا نہیں لیکن اس ملفوظ کی چالیسویں مجلس سے یہ اطلاع ضرور ملتی ہے کہ حضرت سید وحید الدین چلہ کشؒ کے والد حضرت شیخ علاء الدین جو ایک عظیم المرتبت شیخ، عالم وقت اور صاحب سجادہ تھے اور حضرت مخدوم جہاں کے پیر و مرشد شیخ نجیب الدین فردوسیؒ کے بہنوئی اور استاد بھی تھے انہوں نے آج سے تقریباً آٹھ سو برس قبل اپنے درس کے لئے اسی طرح کا نظام الاوقات مرتب کیا تھا اور پورے ہفتہ کو تدریس کے لئے تقسیم کر رکھا تھا یعنی ایک روز فقہ کی تعلیم دیتے، ایک روز نحو و منطق سکھاتے، ایک روز اصول و علم کلام پڑھاتے ایک روز تفسیر و حدیث کا سبق دیتے۔ اس سے حضرت علاء الدین کے اصول تعلیم اور تقسیم درس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

اس کتاب میں فقہی مسائل بھی بکثرت آئے ہیں مثلاً چھینک آنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے،

نماز معکوس پڑھنے، اعتکاف میں خرید وفروخت کرنے، صف پر مصلا بچھانے، ننگے پاؤں مسجد آنے، ریشمی سربند باندھنے، حمائل شریف اور فقہ کی کتابوں کو داہنے ہاتھ سے لینے، ہبہ سے رجوع ہونے، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے، دوسروں کی چیز زبردستی لینے، سامان قبضہ میں لینے کے بعد قیمت ادا کرنے اور عیدگاہ میں تحیۃ المسجد ادا کرنے کے مسائل، ان کے جواز اور عدم جواز پر حضرت مخدوم نے اپنے عالمانہ اور فقیہانہ نظریہ کا اظہار فرمایا ہے۔

یہ پوری کتاب اتنی ساری نعمتوں سے مملو ہے جن کو اس پیش لفظ میں کہاں تک لکھا جائے یہ تو مطالعہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا ہر صفحہ یہ کہہ رہا ہے کہ

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

خانقاہ معظم بہار شریف نے مکتبۂ شرف کے نام سے ایک ایسے ادارہ کا قیام عمل میں لایا ہے جہاں سے حضرت مخدوم جہاںؒ کی فارسی کتابوں کے ترجمہ کی اشاعت ایک عرصہ سے ہو رہی ہے اور اس میں وہی خدمت خلق اور اصلاح امت کا جذبہ کارفرما ہے جس کے لئے حضرت مخدوم جہاںؒ اور دیگر اکابرین سلسلہ نے اپنی حیات طیبہ کا بیشتر حصہ وقف کر دیا تھا۔

''خوان پر نعمت'' بھی دوسری کتابوں کی طرح فارسی زبان میں ہے اور یہ زمانہ فارسی سے ناآشنائی کا ہے، خانقاہ معظم کے موجودہ سجادہ نشیں اخی محترم حضرت جنا بحضور سید شاہ محمد امجاد فردوسی مدظلہ العالی کا یہ کرم ہے کہ اس کے ترجمہ کی خدمت کا حکم نامہ اس خاکسار کے نام صادر فرمایا اور یہ کتاب جو آپ کے سامنے ہے اسی تعمیل حکم کی عملی شکل ہے۔

راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ کسی کتاب کا ترجمہ ایک مشکل کام ہے اس لئے کہ ترجمہ میں اصل کتاب کے مضامین کی قید و بند میں رہنا پڑتا ہے اور وہ بھی کسی بزرگ کی دینی و

مذہبی کتاب کا ترجمہ کرنا تو اور بھی کٹھن منزل سے گزرنا ہے۔ اس لئے کہ یہاں اپنی عاقبت بخیر رکھنے کی فکر بھی رہوار قلم کو تازیانہ انتباہ لگاتی ہے۔

ترجمہ کے وقت ایک مطبوعہ نسخہ جو مطبع احمدی مغلپورہ پٹنہ سیٹی سے شائع ہوا تھا اور دو قلمی نسخے سامنے رہے۔ ان تینوں کتابوں میں اغلاط کی کثرت ہے۔ جن کی صحت کے بعد ترجمہ کا کام کیا گیا۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ میں روانی ہو اور نفس مضمون میں کسی طرح کا فرق نہ ہو۔

چونکہ یہ ملفوظات کا مجموعہ ہے اس لئے اس کتاب میں مخاطبت کا انداز زیادہ ہے اس انداز تخاطب کو ترجمہ میں بھی برقرار رکھا گیا ہے جگہ جگہ یعنی خاص اور ناگزیر صورتوں میں حاشیہ کے ذریعہ مضمون کی وضاحت کردی گئی ہے تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ ہاں! طوالت کے خیال سے اشعار کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے لیکن مضامین کی ایک طویل اور مبسوط فہرست شامل کردی گئی ہے تاکہ قارئین کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع ملے۔

میں نے اس کتاب کے ترجمہ اور مسودہ کی صفائی وغیرہ کا کام اپنی غیر معمولی مشغولیت اور انتہائی مصروفیت کے دوران کیا ہے اس لئے غلطیوں کا احتمال باقی ہے۔

اس ترجمہ میں محاسن کی تلاش کرنے والے حضرات میرے لئے حُسن عمل کی اور معائب کو ڈھونڈھنے والے اشخاص ستر عیوب کی دعا ضرور فرمائیں۔

(تمام شد پیش لفظ طبع اول)

والسلام
محمد علی ارشد شرفی

۲۷ رجب ۱۴۰۹ھ بمطابق ۶ مارچ ۱۹۸۹ء

دیباچہ جامع ملفوظ ہذا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ حمد الشّاکِرین وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوۡل

العِبَادُ مُحَمَّدِ نِ الۡمُصطفیٰ وَاٰلِہٖ اجمعین ط

اللہ جل وعلا کی حمد اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے بعد

حضرت مخدوم کے ملفوظات کی پہلی جلد معدن المعانی کی تکمیل کے بعد ۱۵ رشعبان ۷۴۹ ہجری سے آخر ماہ شوال ۷۵۱ ہجری کی درمیانی مدت میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والحقیقتہ والدین متع اللہ المسلمین بطول بقایہ و ذکرہ کی زبان مبارک سے اس خاکسار نے جو کچھ سنا اور سمجھا اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق اور عنایت سے اس کو بعینہ لفظاً اور معناً لکھ لیا تاکہ اس کے مطالعہ سے جو اہل ہیں ان کی مدد ہو اور ان کے کام میں استعانت پیدا ہو اور جو نااہل ہیں ان کو رغبت اور تحریک حاصل ہو اور رہر گرے پڑوں کو جو دین کے کاموں میں محتاج ہیں جبل المتین کے رشتہ سے منسلک ہو جائیں اور ان کو دونوں جہان کی نعمتیں حاصل ہوں اس لئے کہ یہ نعمتوں سے بھرا ہوا ایک خوان ہے اور رحمت کی نشانیوں کا ایک جہان ہے۔

گو جہانی برخورد زیں خوان پر نعمت مدام

مسکیں زین را بس است از ریزہ بخشند ازاں

(ساری دنیا اس خوانِ پر نعمت سے ہمیشہ نعمتیں حاصل کرتی رہے تو مجھے کیا بے چارے اس زین عربی کو اگر ایک ٹکڑا ہی دے دیں تو وہی کافی ہے)۔

مجلس - ۱

قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مخدوم کئی روز سے اعضاء شکنی اور بخار میں مبتلا رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحت یاب ہو چکے تھے۔ غلبک افغان مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس دنیا میں رہنے کی کچھ مہلت ملی ہوئی ہے پھر سیاہ گدھا (موت) سامنے ہے۔ اس کے بعد فرمایا بخار بھی عجیب چیز ہے آدمی وہی، شخص وہی، یہ کہاں سے پیدا ہو جاتا ہے چند روز اسی فکر میں رہا کہ بخار کی اس صفت کو معلوم کروں لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بھلا چنگا آدمی اپنے کاروبار میں مشغول ہے اور یکایک بخار آگیا اور اس نے اس کو گرا دیا جیسے کسی مرغ کو ہاتھ پاؤں باندھ کر تواپر ڈال دیا جائے بالکل وہی حال ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اکثر بزرگوں کا انتقال بخار ہی کے مرض میں ہوا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب رحلت فرمائی تو اس وقت آپ کو بھی بخار تھا۔ پھر فرمایا جو ہو آخر موت ہی ہے۔ موت کا وقتِ معین معلوم نہیں ابھی آجائے یا کسی دوسرے وقت آجائے۔ اور جب موت آگئی پھر فرصت اور مہلت نہیں۔ اسی مضمون کی مناسبت سے یہ حکایت بیان کی کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے حجرہ سے باہر آکر ان کاموں کا معائنہ فرما رہے تھے جو انہوں نے دیو اور اجنہ کے حوالہ کیا تھا ٹھیک اسی وقت ملک الموت آگئے انہوں نے کہا کہ روح مبارک قبض کرنے کا حکم ہے، سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کچھ مہلت بھی ہے؟ کہا نہیں۔ پھر فرمایا کیا اتنی فرصت ہے کہ گھر جا کر لوگوں کو الوداع کہوں؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا بیٹھ جاؤں؟ کہا نہیں۔ اس کے بعد جناب سلیمان نے اپنے عصا پر

سینہ مبارک رکھ کر سہارا لے لیا اور ملک الموت نے روح مبارک قبض کر لی۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب سلیمان علیہ السلام کو فرصت نہیں دی گئی تو دوسرے کس شمار میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسی حال میں ایک سال گزر گئے دیو اور اجنہ سب اپنے اپنے کام میں مشغول رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام دیکھ رہے ہیں، ان سب پر ان کی ہیبت طاری تھی اسی ہیبت کی وجہ سے کام میں لگے رہے اور آپس میں یہ کہتے رہے کہ اللہ کے پیغمبر بہت طویل عبادت کر رہے ہیں۔

خاکسار نے پوچھا کیا آپ کے رشتہ دار اور خدام بھی اس حال سے باخبر نہیں ہوئے۔ فرمایا کہ نہیں، کوئی بھی اس حال سے واقف نہیں ہوا سب لوگ یہی سمجھتے رہے کہ اللہ کے رسول پر غیب سے کوئی معنی کھلا ہے جس میں وہ مستغرق ہیں۔ یہاں تک کہ عصائے مبارک میں دیمک لگ گئی اور جب وہ نیچے سے بیچ عصا تک پہنچی تو سینہ کے دباؤ سے عصا ٹوٹ گیا اور آپ زمین پر آگئے۔ اب لوگوں کو معلوم ہوا کہ معاملہ یہ تھا اس کے بعد دیو اور اجنہ اِدھر اُدھر ہو گئے اور شور و ہنگامہ کرنے لگے کہ سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہونے لگا جو اس وقت اپنے جسم کے ساتھ بہشت میں ہیں۔ لوگوں نے سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دو مرد اور ایک عورت یہی تین اشخاص اس وقت اپنے جسم کے ساتھ بہشت میں ہیں۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ وہ دو مرد کون ہیں؟ فرمایا کہ ایک ادریس علیہ السلام ہیں اور دوسرے حبیب نجار ہیں۔ لیکن عورت میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ فرعون کی بیوی آسیہ ہیں بعض کہتے ہیں وہ بی بی مریم ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بی بی آسیہ ہیں۔

اس کے بعد نہایت تعجب خیز انداز میں فرمایا کہ سبحان اللہ! فرعون کی بیوی جسم کے ساتھ جنت میں ہوں اس راز تک کسی عقل اور کسی علم کی رسائی ہو سکتی ہے ہزاروں انبیاء و اولیاء تو یہیں دنیا کے خاک و گرد میں آرام کریں اور فرعون کی بیوی کا یہ معاملہ کہ قبر کے بجائے جنت میں ہوں۔[2]

آوازہ در افتاد بہر جا کہ ثنای
در مکتب او کرد ہمہ بخت فراموش

(ہر جگہ یہ شور و غوغا ہونے لگا کہ ثنائی نے اس کے مکتب میں پہنچ کر اپنا سب کچھ بھلا دیا)

خاکسار نے سوال کیا کہ بی بی آسیہ کو کوئی اولاد ہوئی تھی یا نہیں؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ نہیں۔ فرعون سے ان کی صحبت نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عصمت کو محفوظ رکھا۔ فرعون نے جب بھی چاہا کہ ان سے قربت حاصل کرے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو تو اللہ تعالیٰ بی بی آسیہ کی شکل کا ایک شیطان سامنے کر دیتا فرعون اسی سے صحبت کرتا اور بی بی آسیہ محفوظ رہ جاتیں۔ فرعون یہی سمجھتا رہا کہ میں نے بی بی آسیہ سے اپنی تمنا پوری کی۔ اس طرح اللہ نے ان کی پارسائی کی حفاظت کی۔

پھر خاکسار نے دریافت کیا کہ بی بی آسیہ کا انتقال کس طرح ہوا؟ فرمایا کہ فرعون کی سزا کی وجہ سے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ بی بی آسیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی تھیں لیکن اس کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کیا تھا۔ ہاں! فرعون کی بہن کو اس کی اطلاع ہو گئی تھی اور اس نے فرعون کو باخبر کر دیا۔ فرعون نے اندر جا کر آسیہ کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تم موسیٰ پر ایمان لا چکی ہو؟ انہوں نے کچھ چھپایا نہیں بلکہ اقرار کر لیا۔ فرعون نے کہا تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیا

تم کو میری سزا کا علم نہیں ہے بی بی آسیہ نے جواب دیا، میں جانتی ہوں۔ فرعون نے کہا تو پھر سزا ہوگی۔ انہوں نے قبول کرلیا اور کہا ٹھیک ہے جو سزا دینا چاہتے ہیں دیجئے۔ اس کے بعد فرعون نے مال و دولت، سونا چاندی اور وہ ساری چیزیں جو ان کو پسند آتیں لا کر رکھا اور کہا اسے قبول کرلو۔ بی بی آسیہ نے ان چیزوں میں سے ذرہ برابر بھی قبول نہیں کیا۔ فرعون کی یہ پیش کش ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کرسکی جب فرعون اپنی اس حکمتِ عملی سے مایوس ہوگیا اور اس نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ اب اپنے سابق مذہب پر لوٹنے والی نہیں ہیں تو اس نے بی بی آسیہ کو سزا دینے کے لئے گھر کے آنگن میں بلا یا دھوپ میں کھڑا کر کے لوہے کی میخ سینہ میں دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں میں ٹھونک دی اور اس طرح پانچوں میخیں ٹھونک کر دھوپ میں ڈال دیا۔ اس سزا کے وقت بی بی آسیہ نے دعا کی رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ التحریم ۱۱ (اے پروردگار! میرے لئے جنت میں اپنے نزدیک ایک گھر بنا) اسی وقت دعا کی قبولیت کے آثار نمایاں ہوگئے اور بی بی آسیہ کا جسم کے ساتھ بہشت میں ہونا اسی دعا کا ثمرہ ہے۔ اس دعا کی قبولیت کی برکت کے طفیل انہیں کسی طرح کی تکلیف اور زحمت کا اثر محسوس نہیں ہوا اور وہ سلامتی کے ساتھ جنت میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ بزرگوں نے بی بی آسیہ کی دعا رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ لفظ "عِنْدَكَ" میں ایک عجیب معاملہ پنہاں ہے اور یہ ایک ایسا راز ہے جس کو اگر کوئی جاننا چاہے تو اسے خونِ جگر پینا پڑے گا۔ حضرت عین القضاۃ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اس لفظ "عِنْدَكَ" کا راز کل قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا سبحان اللہ! ان کی معرفت اور استقامت کے متعلق

کوئی کیا کہہ سکتا ہے، مال و دولت، حکومت و سلطنت اور سونا چاندی جیسی قیمتی چیزیں پیش کی گئیں مگر ذرہ برابر قبول نہیں کیا اور وہ ساری چیزیں ان کے ایمان کو نہیں بدل سکیں۔ یہ صفت انسان کی حد سے باہر ہے غیب سے ان کو ایسی چیز مل گئی جس کے سامنے ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

کارِ تو مخاطرات خواہم کردن
یا سرخ کنم روئے ز تو یا گردن

(آپ کے معاملات ایسے پر خطر ہیں جن کو اگر کرنا چاہوں تو دو ہی صورت سامنے آئے گی یا تو آپ کے سامنے سرخرو ہوں گا یا پھر جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا)۔

پھر فرمایا آیت کریمہ ہے وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ [البقرہ، ۱۰۵] جسے وہ چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص کر لیتا ہے یہاں پر مَنْ يَّتَزَهَّدُ (جس نے زہد اختیار کیا) نہیں کہا مَنْ يَّصْلَحُ (جس نے عمل صالح کیا) نہیں کہا مَنْ يّصلی (جس نے نمازیں پڑھیں) نہیں کہا مَنْ يَّتصدق (جس نے صدق اختیار کیا) نہیں کہا مَنْ يَّتزکی (جس نے پاکی اور طہارت اختیار کی) نہیں کہا بلکہ مَنْ يَّشَاءُ فرمایا یعنی **جس کو چاہتا ہے** اس کو اپنی رحمت کے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ قیامت کے دن جب مرد ایسی عورتوں کو دیکھیں گے، ان کو ملنے والی دولت کا اور ان کے ساتھ ہونے والے معاملات کا معائنہ کریں گے تو اس وقت اپنے اوپر افسوس کریں گے لاکھوں بار چاہیں گے کہ اس داڑھی کو کیا کر دیں، کہاں چھپ جائیں اور شرم کے مارے کہاں چلے جائیں۔

برکش صلیب طرہ و دردہ صلای کفر ✲ کز خرقہ سیر گشتم و زنارم آرزست
اندر قمار خانہ و در کنج مصطبہ ✲ کردن گرو سجادہ و دستارم آرزست

(صلیب ڈال لوں، کفر کا اعلان کر دوں، خرقہ سے دل بھر چکا ہے اب زنار باندھنے کی آرزو ہے
قمار خانہ اور میکدے میں اپنے سجادہ و دستار کو گروی رکھ دینے کی آرزو ہے)۔

غلبک مذکور نے سوال کیا کہا جاتا ہے کہ جو شخص علم کے بغیر مشغولی اختیار کرے یا تو وہ کافر ہو جائے گا یا آخری زندگی میں پاگل ہو کر مرے گا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ کتنے حضرات ایسے ہیں جنہوں تے علم کے بغیر مشغولی اختیار کی ان کو کشود کار ہوا اور وہ اولیاء کی فہرست میں داخل ہوئے۔

حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ جس نے علم کے بغیر مشغولی اختیار کی اور وہ اولیاء میں شمار کئے گئے پہلے ان کے اندر علم ڈال دیا گیا اس کے بعد ولایت بخشی گئی نعوذ باللہ منہا کوئی ولی علم سے خالی نہیں ہوئے ما اتخذ اللہ ولیاً جاھلاً کے بارے میں بزرگوں نے بیان فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کو جو سب سے پہلا علم بخشا جاتا ہے وہ علم معرفت ہے اور یہ بغیر محنت کے ملتا ہے لیکن ہاں! اس کی مثالیں بہت کم ہیں اسی کو فیض کہتے ہیں۔ فیض اللہ کی خاص رحمت ہے اور اس کے لئے اللہ کے خاص بندے مخصوص ہیں۔

مجلس - ۲

قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ حاضرین مجلس میں سے کسی کو چھینک آ گئی۔ خاکسار نے عرض کیا کہ چھینکنے والے کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا چاہئے اس کا معقول معنی کیا ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ چھینک صحت کی علامت ہے اور صحت ایک نعمت ہے اسی لئے نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے کی یہی وجہ ہے۔

پھر خاکسار نے سوال کیا چھینکنے والے کے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے کا جواب دینا کس طرح واجب ہے۔ کیا چھینکنے والے کا سننا ضروری ہے یا نہیں؟

فرمایا کہ سلام کے جواب پر اس کو بھی قیاس کرنا چاہئے اس طرح کہے کہ وہ سُن لے لیکن اس کے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گذری ہے۔

خاکسار ہی نے دریافت کیا کہ جمعہ کے خطبہ کے وقت اگر کسی کو چھینک آجائے اور اس نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ دیا تو سننے والوں کو آہستہ یا بلند آواز سے اس کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ نہیں دینا چاہئے نہ بلند آواز سے اور نہ آہستہ۔

مجلس - ۳

شرف زیارت سے مشرف ہوا۔ قاضی اشرف الدین نے سوال کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز معکوس کتنی بار ادا کی ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ایک بار۔ پھر دریافت کیا کہ اس وقت کسی چیز پر سہارا تھا یا نہیں؟ جواب ملا کہ اس نماز کی ادائیگی کی کیفیت کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری۔ پھر سوال ہوا کہ نفس کے مجاہدہ کے لئے یہ نماز پڑھی گئی یا کسی دوسری وجہ سے؟ فرمایا کہ کوئی اہم کام درپیش تھا اسی مہم کے سر ہونے کے لئے انتہائی تواضع اور

عاجزی کے طور پر پڑھی گئی لیکن بزرگوں نے جو اس نماز کو پڑھی ہے وہ اس لئے تاکہ قول و عمل میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری پوری پیروی ہو جائے اور اتباع رسول کے سلسلہ میں جو وعدہ کیا گیا ہے وہ نصیب ہو جائے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول و عمل کی اتباع کے وعدہ کی امید میں جہاں تک ممکن ہوتا عمل کرتے ہیں۔

حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ وہ وعدہ کیا ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے کہا ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ [آلِ عمران ر ۳۱] (کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا) اللہ کی محبت ہی ان بزرگوں کا مطلوب و مقصود ہے اور یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی سے منسلک اور متعلق ہے۔ شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر ؒ نے فرمایا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو سنتیں مجھ تک پہنچیں میں نے ان پر عمل کیا مگر تین چیزوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی اس لئے ان کو نہیں کیا اور عدم واقفیت کی بنا پر چھوڑ دیا مثلاً میں نے سنا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خربوزہ کھایا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ اللہ کے رسول نے خربوزہ کو توڑ کر کھایا یا تراش کر۔ اگر شیخ ابوسعید دونوں طریقہ سے کھا لیتے تو کوئی ایک طریقہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع میں ہو جاتا۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو چیزیں شرع میں آئی ہیں وہ اپنے طریقہ کے ساتھ مشروع ہوئی ہیں اس لئے اس امر کی مشروعیت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ چیز اس طریقہ کے ساتھ ہو جس طریقہ کو شارع اسلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اختیار فرمایا ہے ایسی صورت میں اگر شیخ ابوسعید توڑ کر کھاتے تو ہو سکتا تھا کہ اس طریقہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھایا ہو یا نہیں

کھایا ہوا گر کھایا ہو تو سنت پر عمل ہوتا اور اگر نہیں کھایا ہے تو بدعت ہوتی۔ اگر تراش کر کھاتے تو وہی صورت یہاں بھی ہوتی اور یہ تسلیم شدہ ہے کہ جس عمل میں سنت اور بدعت دونوں سامنے آجائے وہاں بدعت میں مبتلا ہونے کے احتمال سے سنت کو ترک کرنا زیادہ بہتر ہے۔ شیخ ابوسعید نے اسی بنیاد پر ایسا کیا ہے اگر اس فعل کو شروع کرتے تو بدعت میں پڑنے کا خوف تھا اس لئے شیخ کا یہ قول دُرست ہے۔

حاضرین مجلس میں سے کسی نے دریافت کیا کہ اس فعل میں شیخ ابوسعیدؒ کا ارادہ سنت کی ادائیگی کا ہوتا نہ کہ بدعت کا۔ بدعت تو ضمنی ہوتی۔

جواب ملا کہ سنت کی ادائیگی وہاں پر درست ہے جہاں کوئی بدعت حائل نہ ہو لیکن جہاں بدعت سنت سے ٹکراتی ہے وہاں سنت کا اختیار کرنا گویا بدعت کو اختیار کرنا ہے۔

شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ سنت کا ترک باعثِ ملامت ہے اور سنت کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔

جواب دیا کہ ترک سنت جو گناہ ہے وہ اس صورت میں جب کہ بدعت میں مبتلا ہونے کا احتمال نہ ہو، ترک سنت میں زیادہ ملامت نہیں۔ لیکن بدعت تو حرام ہے اور اس کے لئے سزا ہے۔

پھر سوال ہوا کہ جہاں واجب اور بدعت سامنے آجائیں وہاں واجب کی ادائیگی بہتر ہے یا اس کو ترک کرنا۔ ایسی صورت میں واجب کو کیوں نہیں ترک کیا جائے۔

ارشاد ہوا کہ ادائیگی سنت کے ترک کی اجازت ہے لیکن واجب کا ترک کرنا نہیں آیا ہے۔

خاکسار نے درخواست کی کہ حکم شرع کے مطابق اس کی کوئی مثال دی جائے۔

فرمایا اس کی مثال یہ ہے کہ نمازی کو چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بیٹھنا واجب ہے لیکن اسی درمیان شک ہو گیا کہ دو رکعت ہوئی یا تین رکعت۔ اگر دو رکعت سمجھ کر بیٹھ گیا ہو سکتا ہے کہ وہ تیسری رکعت ہو ایسی صورت میں بیٹھنا بدعت ہے۔ یہاں حکم یہ ہے کہ واجب کو ترک نہ کرے اس لئے اٹھ جائے اور دوسری رکعت ملا دے تا کہ ارتکاب بدعت نہ ہو۔

مجلس - ۴

زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ قاضی اشرف الدین مفتی کے بھتیجا قاضی شہ حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کیا ایک درویش کا قول ہے کہ انہوں نے طواف کعبہ کے وقت ستر بار ختم قرآن حرفاً حرفاً لفظاً لفظاً اور معناً معناً کیا۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے لوگ اپنے سلوک میں اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں ان سے صفات بشری بالکل زائل ہو جاتی ہیں اور ملکی (فرشتوں کے) اوصاف سے متصف ہو جاتے ہیں۔ جب ان میں ملکی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر جو کام بھی کرتے ہیں ملکی قوت سے کرتے ہیں۔ اس درویش کا ستر ختم قرآن کرنا اسی قوت سے ہے۔ جس کام کو انسان ایک دن میں کرتا ہے فرشتے اس کو پلک مارتے کر دیتے ہیں۔ لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک کمرہ کا دروازہ بند تھا اور ایک بزرگ اسی بند دروازہ سے اندر چلے گئے، یہ بھی ملکی قوت ہے جس طرح فرشتوں کو اندر داخل ہونے کے لئے

دروازے کی ضرورت نہیں اسی طرح ان کو بھی دروازہ کی حاجت نہیں ہوئی۔ اور بعض حضرات کے بارے میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ آگ میں چلے گئے اور ذرہ برابر بھی نہیں جلے، یہ بھی ملکی قوت کا اثر ہے اس لئے کہ فرشتوں پر بھی آگ کا اثر نہیں ہوتا۔ اسی مقام پر کہا جاتا ہے کہ سالک عالم ناسوت سے گذر گیا۔

حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ عالم بشریت کو عالم ناسوت کہتے ہیں؟

فرمایا ہاں! اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بزرگوں نے جو اتنی ساری جلدیں تصنیف کردیں وہ اسی ملکوتی قوت سے لکھی ہیں۔ اسی کی مناسبت سے یہ حکایت بیان کی کہ خواجہ احمد سرخ بیان کرتے تھے کہ بغداد میں ایک مسجد ہے جب ہم وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ خواجہ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہاں چلہ کش ہیں اور ان کے ساتھ چالیس عدد خرمہ ہے چالیس دستہ کاغذ ہے اور دوات وقلم ہے روزانہ ایک خرمہ سے افطار کرتے ہیں اور حجرہ میں بند ہوکر تصنیف میں مشغول ہیں جب چلہ پورا ہوگیا اور چالیس دستہ سفید کاغذ سیاہ ہوگیا تو باہر نکلے اور اس کے بعد کتابی شکل دی۔ بشری قوت سے یہ ممکن نہیں ہے کہ چالیس دن میں چالیس دستہ کاغذ تصنیف ہوجائے یہ بھی اسی ملکوتی قوت کی کرشمہ سازی ہے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں یہ حکایت بیان کی کہ آپ واسطہ میں تھے اور آپ کا مزار بھی وہیں ہے ایک دفعہ بغداد کے بادشاہ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ بغداد کے لوگ آپ کے علم کے طالب ہیں اور آپ کے لئے مدرسہ اور خانقاہ کا انتظام کردیا گیا ہے آپ بغداد چلے آئیں اور اپنے علم سے اللہ کی مخلوق کو فیضیاب کریں۔

خواجہ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب اپنی عبارت میں جیسا کہ لکھنا چاہیے تھا لکھا اور آخر میں بطور معذرت تحریر فرمایا کہ ہم جب قدس خلیل ؑ گئے تھے وہاں اپنے آپ سے تین وعدہ اور عہد کرلیا تھا ایک یہ کہ بادشاہوں سے کچھ نہیں لیں گے، دوسرے یہ کہ جھگڑا نہیں کریں گے اور تیسرے یہ کہ بادشاہوں کے دروازے پر نہیں جائیں گے۔ اب اگر وہاں جاتے ہیں تو ہمارے پاس اتنی دولت اور رقم نہیں کہ خرچ کریں آخر آپ سے لینا پڑے گا اور یہ عہد شکنی ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہاں جاتے ہیں اور مدرسہ میں بیٹھ کر علم کو بیان کرتے ہیں تو آج کل ہمارے علم کا رنگ ہی دوسرا ہے بغداد کے علماء اس کو برداشت نہیں کریں گے جھگڑنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور مجبوراً ہم کو بھی جھگڑنا پڑے گا ایسی صورت میں ہم عہد شکن بن جائیں گے، تیسری بات یہ کہ اگر ہم وہاں گئے تو آپ کے در پر جانا پڑے گا اور اس سے بھی عہد شکنی ہوگی۔ آپ سمجھ لیجئے کہ غزالی بغداد پہنچ گیا، مدرسہ میں تعلیم دے دی اور مر گیا اب کسی دوسرے مدرس کو بلائیے اور یہ کام اسی وقت کیجئے ؎

زیں پس منم و رندی و مستی و خرابات ✵ ہر قصہ کہ بگذشت از یں پیش نہ گوئید

معقول دگر از من دیوانہ مخواہید ✵ مشروع دگر با من بدکیش نہ گوئید

(اب تو میں ہوں میرا شراب خانہ ہے اور میری مستی ہے اس سے پہلے جو کچھ گذر گیا اس سے آگے کی بات نہ کیجئے مجھ دیوانے سے زیادہ کسی کو صاحب عقل نہ سمجھئے اور مجھ بد قماش سے زیادہ باشریعت کسی اور کو نہ جانئے)

اس کے بعد فرمایا کہ اس زمانہ میں دنیا میں ایسے بزرگان بہت کم ہیں چند مسافر آئے تھے لوگ اس امید میں تھے کہ ان سے ایسے بزرگوں کے بارے میں کچھ اطلاع فراہم ہوگی ان لوگوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہاں عشاق کی جماعت آئی تھی اس کے سردار کہہ رہے تھے کہ

علاء الدولہ والدین، ملک فرید الدین کے بڑے بھائی شیخ شرف الدین اور ایک درویش اور تھے لیکن اب یہ تینوں بھی نہیں رہے اور یہ شعر پڑھا۔

صحبت نیکاں ز جہاں دور گشت

خانہ عسل خانہ زنبور گشت

(اچھے لوگوں کی صحبت سے دنیا بہت دور ہو چکی ہے شہد کا چھتا اب برنے کا گھر بن گیا ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ علاء الدولہ والدین کسی بادشاہ کے وزیر تھے، وزارت چھوڑ کر اللہ کے کام میں لگ گئے آخران کو کشود کار ہوا اور ولایت کے درجہ پر پہنچے۔

مجلس - ۵

زیارت کے شرف سے مشرف ہوا۔ قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ بعض مسافر مسجد میں ٹھہر جاتے ہیں اس سلسلے میں کوئی روایت حضور کی نظر سے گذری ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ نہیں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں اجازت ہو۔ جو لوگ مسجد میں کھانا کھاتے ہیں اُس میں بھی اختلاف ہے بعض اس کو جائز کہتے ہیں۔ اگر کوئی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں بیٹھے اور کچھ کھائے تو اجازت ہے ورنہ نہیں۔

خاکسار نے سوال کیا کہ اگر کوئی غیر اللہ کی قسم کھائے مثلاً ماں، باپ، استاد یا پیر کی قسم کھائے تو یہ قسم ہوگی یا نہیں؟

جواب ملا کہ نہیں ہوگی۔ کنز المسائل میں لکھا ہے کہ اگر لوگ اس (برائی) میں مبتلا

نہیں رہتے تو میں یہ لکھ دیتا کہ جو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھاتا ہے تو وہ کفر کرتا ہے۔
پھر فرمایا کہ رسولِ اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اِسْمِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَكَ (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا)۔

مجلس - ٦

حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولانا کریم الدین نے سوال کیا کہ لوگ صف کے اوپر مصلّٰی بچھاتے ہیں اور ''ترغیب الصلوٰۃ'' میں اس کو مکروہ لکھا ہے آخر کراہیت کی وجہ کیا ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''ترغیب الصلوٰۃ'' میں ایک جگہ مکروہ لکھا ہے اور اگر ایسا ہے بھی تو معلوم نہیں کہاں سے لایا ہے، لیکن ''جواہر'' میں ''ہدایہ'' کی یہ نقل موجود ہے کہ ایک شخص نے کوفہ سے آکر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی اُس وقت آپ صف کے اوپر مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھ رہے تھے، اس شخص نے کہا کہ کیا آپ کے شہر میں لوگ مصلّٰی پر نماز پڑھتے ہیں؟

امام اعظمؒ نے اس شخص سے پوچھا کہ تمہارے شہر میں کس چیز پر نماز پڑھتے ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ بوریا پر۔ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ بوریا سے کیا ہوا وہ بھی تو مصلّٰی ہی ہے۔ پھر اسی موقع پر (امام اعظم) نے کہا کہ جَاءَ التَّکْبِیْر مِنْ وَرَائِیْ یعنی میں مسلمانوں کا امام ہوں پہلے امام تکبیر کہتا ہے نہ کہ مقتدی اور اسی کو کہتے ہیں کہ تکبیر میرے پیچھے آتی ہے۔

مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ بعض لوگ ننگے پاؤں آتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں یہ کیسا ہے؟

جواب ملا کہ جائز ہے ننگے پاؤں رہنے کی وجہ سے نجاست سے پاؤں آلودہ نہیں ہو جاتا ہاں! نجاست لگنے کا احتمال ہے اور چیزوں میں طہارت ہی اصل ہے۔ بعض صحابہ ننگے پاؤں مسجد آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔

پھر سوال ہوا کہ کیچڑ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ کیچڑ میں بھی نجاست کا احتمال ہے، حقیقتاً نجاست نہیں ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بخارا میں انسان کی آبادی بہت زیادہ ہے اور راستے میں جانوروں کی غلاظت بہت زیادہ جمع ہو جاتی ہے جو مٹی میں مل جاتی ہے جب اس کی خبر حضرت امام محمدؒ کو پہنچی تو انہوں نے بخارا کی مٹی کو نجس قرار دے دیا لیکن جب خود بخارا تشریف لائے اور لوگوں کے ہجوم کو آتے جاتے دیکھا تو مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے غور کیا کہ اگر یہاں کی مٹی کو ناپاک قرار دیا جاتا ہے تو یہاں کے لوگ مصیبت، پریشانی اور نقصان کے شکار ہو جائیں گے اس کے بعد اپنے سابق حکم اور فتویٰ سے لوٹ آئے اور فرمایا کہ اِنَّ الطِّینَ بُخَارا طَاهِرٌ (بخارا کی مٹی پاک ہے)۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا علاء الدین کے زمانے میں ہم (درون حصار) آئے تھے اس وقت درون حصار کے کوئیں کی طہارت اور نجاست کا مسئلہ زیر بحث تھا، درون حصار کے کوئیں وہ ہیں جہاں کسی طرح کا احتیاط نہیں برتا جاتا، عورتیں گندے ہاتھ پاؤں سے آتی تھیں اور پانی بھرتی تھیں کسی طرح کا پرہیز نہیں کرتی تھیں، آخر

لوگ غور کرنے لگے کہ ایسے کوئیں پاک ہیں یا ناپاک۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس مسئلے کے لئے مفتیوں کو بلایا جائے، وہ جو فتویٰ دیں وہی کیا جائے، مفتی حضرات جمع ہوئے ان لوگوں نے کہا کہ درون حصار کے لوگ اس سے مصرف لیتے ہیں، ہاتھ منھ دھونے، کھانا پکانے اور پینے کے لئے زیادہ تر اسی پانی کا استعمال کرتے ہیں اگر ان کی نجاست کا فتویٰ دے دیا جائے گا تو لوگ مصیبت میں پڑ جائیں گے اور پریشانی آجائے گی اس لئے ان لوگوں نے فتویٰ دیا کہ پاک ہے۔

اسی طرح ایک بار سنار گاؤں[1] میں طلباء نے ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ چونا کھانا حرام ہے۔ ان لوگوں نے یہ دلیل پیش کی کہ صدف سمندری کیڑا ہے اور سمندری کیڑا حرام ہے اس لئے چونا بھی حرام ہے، پورے سنار گاؤں میں اس کا چرچہ ہو گیا اُس وقت کے امراء اور بادشاہوں تک خبر پہنچی کے طلباء نے چونا کھانا حرام قرار دے دیا ہے۔ وہ سب بھی متفکر ہو گئے کہ کھانا چاہئے یا نہیں۔ آخر مفتیوں کو بلایا گیا، ان لوگوں نے کہا کہ اس میں ہزاروں لوگ مبتلا ہیں یعنی ہزاروں لوگ استعمال کرتے ہیں اگر اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں تو گویا اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اتنے سارے مسلمان حرام کھاتے تھے۔ اس لئے ان مفتیوں میں سے کسی نے بھی اس کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔

مولانا کریم الدین نے سوال کیا کہ ان مفتیوں نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا آخر اس میں فقہی نکتہ کیا ہے؟

فرمایا کہ مخلوق کے لئے آسانی ہو اس لئے کہ اسلام کے اصول میں سختی نہیں ہے جو چیزیں لوگوں کو مشکل میں ڈال دیں اُن کو لوگوں پر مسلط کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں! ویسی

چیزیں جو قرآن میں حرام قرار دے دی گئی ہیں اور لوگ اس میں مبتلا ہیں ان کو مخلوق کی آسانی کے خیال سے حلال اور جائز نہیں کر سکتے جیسے شراب کے حرام ہونے کا ثبوت قرآن میں موجود ہے اور ہزاروں لوگ شراب پیتے ہیں ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ لوگ استعمال کرتے ہیں اس لئے حلال ہے لیکن ایسا مسئلہ جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور لوگ اس کام میں مشغول و مبتلا ہیں اس کو لوگوں کے لئے سخت اور دشوار نہیں بنایا جائے بلکہ لوگوں کی آسانی اور سہولت کا خیال رکھ کر فتویٰ دیا جائے جہاں اجتہاد کو دخل ہے وہاں لوگوں کی آسانی کا لحاظ رکھ کر فتویٰ دینا چاہئے تاکہ لوگ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جائیں اس کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیت موجود ہے قَالَ اللہ تعَالیٰ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ [الحج/۷۸] (اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی)

مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ ایک بار مولانا ضیاء الدین بسطامی سے پوچھا گیا کہ ریشمی سربند لگانا کیسا ہے؟ انہوں نے صرف اتنا ہی مختصر جواب دیا کہ اے بھائی اس میں بہت سارے لوگ مبتلا ہیں یعنی اس پر بہت سارے لوگوں کا عمل ہے۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اس کام میں بہت سارے لوگ مشغول ہیں اور بہت سارے لوگوں کا اس پر عمل ہے تو اس کے حرام ہونے کے قائل نہیں ہوئے۔ شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ اگر وہ کہتے کہ ریشم پہننا حرام ہے اور اس حدیث سے ثابت ہے کہ ھذا محرمان علیٰ ذکور امتی تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

حضرت مخدومؒ نے جواب دیا کہ پہننا حرام ہے اور یہ تو بال کا بندھن ہے اس سے بالوں کو سمیٹ کر باندھتے ہیں اس کو لباس نہیں کہیں گے بلکہ بندھن کہیں گے اور جہاں تک مجھے یاد ہے کہ حضرت شرف الدین ابو توامہؒ بھی ایسا کرتے تھے۔

اس کے بعد سوال ہوا کہ زمانہ کے بدلنے سے فتویٰ بدل جاتا ہے یہ مطلق ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ہاں! وہ مسائل جن میں اجتہاد سے کام لیا جا سکتا ہے عہد اول میں ان کے لئے جو فتوے صادر ہوئے وہ دوسرے اور تیسرے عہد والوں کے لئے مشکل بن گئے ایسے فتاوے دوسرے اور تیسرے عہد میں بدل دیے گئے یَتَغَیَّرُ الْفَتویٰ بِتَغَیُّرِ الزَّمان سے یہی مراد ہے۔

پھر عرض کیا کہ بہار میں ایک آدمی تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے فتویٰ لکھا ہے کہ ریشمی سر بند پہننا حرام ہے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پچھنا کیا ہے ایسے لوگوں کی بات کا کیا اعتبار۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ ایسے لوگ روایت کو سمجھتے بھی ہیں جو ان کی بات قبول کی جائے۔ جو صاحب دین ہیں، مقتدائی اور رہبری کے لائق ہیں اور قابل اعتماد ہیں ان کی بات قبول کرنے کی ہیں لیکن ہر شخص کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔

اب تو یہ حال ہے کہ ''ہدایہ'' اور ''بزودی'' پڑھ کر مفتی بن جاتے ہیں اور فتویٰ لکھنے لگتے ہیں اگر ایسے لوگوں سے عقیدہ اور معرفت کا کوئی مسئلہ پوچھئے تو جواب دینے سے قاصر رہیں گے نہ ان کے دین کا ٹھکانا نہ ان کو دانشمندی حاصل پھر ایسے لوگوں کا اعتبار ہی کیا۔

حضرت مولانا شرف الدین ابو توامہؒ ایسے دانشمند تھے کہ پورے ہندوستان میں ان کی شہرت تھی اور ان کے علم پر کسی کو شبہ نہیں تھا وہ بھی ریشمی سر بند اور ریشمی ازار بند کا استعمال کرتے تھے انہوں نے حرام نہیں لکھا ہے پھر دوسرا کون ہے جو حرام قرار دے دے۔ حضرت مولانا کو سبق پڑھانے کے وقت اگر کسی مسئلہ میں مشکل پیش آجاتی تو غور و فکر میں ڈوب جاتے اس وقت اپنے سر بند کو کندھے پر ڈال لیتے اور ہاتھ میں لے کر اس سے شغل کرتے یہاں تک کہ وہ مشکل مسئلہ حل ہو جاتا اس کے بعد یہ شغل چھوڑ کر سبق پڑھانے میں لگ جاتے۔

جو اصحاب دین ہیں قرآن و حدیث کے معانی سے واقف ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ روایت کس جگہ آئی ہے اور اس کا اطلاق کہاں ہوگا اس زمانے میں اگر مفتیوں سے حدیث پوچھئے تو جواب دینے سے قاصر رہیں گے اور اصل بات یہی ہے کہ تفاسیر و احادیث پر عبور اور نظر ہونی چاہئے جب یہ نظر ہوگی تو اس وقت وہ فتویٰ لکھ سکتا ہے فتویٰ وہی ہے جو قرآن اور احادیث سے اخذ کیا گیا ہو۔

حدیث کا علم ایک مشکل علم ہے قرآن کی ساری باتیں اسس میں موجود ہیں جب تک ان سب کا علم نہیں ہوگا اور ان سب کو اچھی طرح نہیں جانے گا کسی ایک حدیث کا بھی معنی بیان نہیں کرسکتا۔ ہاں! حدیث کا معنی وہی بیان کرسکتا ہے جو قرآن کے معانی و مطالب پر حاوی ہو اگر کوئی حدیث اس کے سامنے آجائے تو اس کو قرآن سے دیکھے اگر قرآن کے موافق پائے تو قبول کرے اور اگر قرآن کے مخالف ہو تو اسے قبول نہیں کرے جو شخص قرآن کے معانی اور تفسیر ہی کو نہیں جانتا وہ اس سے مقابلہ کیسے کرے گا۔

مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ حدیث کسے کہتے ہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وحی جلی ہے اور وحی خفی ہے۔ وحی جلی وہ وحی ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ حضرت رسول اللہ ﷺ تک پہنچی اور وہ قرآن ہے یعنی پورا قرآن جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ پہنچا۔ اور وحی خفی وہ ہے جو جبرئیل علیہ السلام کے واسطے کے بغیر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اس کو بیان کیا اسی کو حدیث کہتے ہیں۔

چو چشم تو با چشم من راز گوید
مگر جبرئیل آں زماں در نہ گنجد

(جہاں میرے اور آپ کے درمیان راز کی بات ہوتی ہے وہاں جبرئیل کی بھی گذر نہیں ہوتی)

پھر سوال ہوا کہ جو وحی جبریئل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر نازل ہوئی وہ الہام کے ذریعہ ہوئی؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اولیاء کے لئے الہام کہا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے وحی خفی کہتے ہیں۔ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے لئے وحی خفی کہیں گے اور اولیاء کے لئے الہام۔

سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر جو وحی خفی نازل ہوئی اس میں تو بھول چوک اور غلطی کا امکان نہیں لیکن اولیائے کرام کے لئے جو الہام ہے اس میں بھول چوک اور غلطی کا احتمال ہوگا؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ان بزرگوں کے الہام میں بھی خطا اور غلطی کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ ان حضرات کے باطن میں ایک نور ہے فھو علیٰ نور من ربہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اکابرین اسی نور سے سمجھ لیتے ہیں یہ اللہ کی جانب سے (الہام) ہے جس بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اس کو اختیار کرتے ہیں اور جو اللہ کی جانب سے نہیں ہوتا اسے اختیار نہیں کرتے۔

علاء الدین امیر شادی نائب کے رشتہ دار نے دریافت کیا کہ حمائل شریف کو گردن میں بائیں طرف لٹکانا چاہیے یا داہنی طرف؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ داہنی طرف بہتر ہے تاکہ حمائل اور دوسری چیزوں میں فرق نمایاں رہے لوگوں کی عادت ہے کہ کپڑے کا تھیلا یا کوئی دوسری چیز اگر گلے میں ٹانگتے ہیں تو بائیں طرف لٹکاتے ہیں اسی طرح اگر کوئی قرآن شریف دے تو اس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑنا چاہیے تاکہ قرآن اور دوسری چیزوں کے پکڑنے میں فرق ظاہر رہے اس لئے کہ لوگوں میں یہ رواج ہے کہ ایک دوسرے کو کچھ دیتے ہیں تو ایک ہی ہاتھ سے لیتے ہیں۔

شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ فقہ کی کتابوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ملا کہ یہ بھی قرآن ہی کے حکم میں ہے تعظیم کے معاملہ میں دونوں کی حیثیت ایک ہی ہے اس لئے فقہ کی کتابوں کے لئے بھی یہی فتویٰ ہوگا۔

والسّلام

مجلس - ۷

دیدار کی سعادت حاصل ہوئی، خاکسار نے سوال کیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ سے کوئی سوال کیا جاتا تھا تو اس کا معقول جواب ارشاد فرماتے تھے یا نہیں اور بغیر وحی کے آئے ہوئے اس سوال کا معقول جواب دیتے تھے یا نہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ پہلے وحی کا انتظار کر لیتے اگر وحی آجاتی تو وہی کہتے اگر وحی کی مدت گذر جاتی تو دریافت طلب مسئلہ میں اجتہاد سے کام لیتے اور اجتہاد سے جو جواب مرتب ہوتا وہ ارشاد فرماتے لیکن ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔

خاکسار نے دریافت کیا کہ وحی کی کیا مدت تھی؟

ارشاد ہوا کہ حضور ﷺ اس کو جانتے تھے اور آپ ﷺ کو اس کی مدت کا خاص اندازہ ہوگیا تھا اگر اس اندازے کے مطابق تاخیر ہوتی تو سمجھ جاتے کہ وحی کی مدت گذر گئی۔

خاکسار نے سوال کیا کہ بعض بزرگوں نے جو کسی کے بارے میں دعاء کی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو درد عطا فرمائے اس درد سے کون سا درد مراد ہے؟

جواب ملا کہ اس سے اللہ کی طلب کا درد، دین کا درد اور اللہ تعالیٰ کے کام کا درد مراد ہے۔ مصرعہ

دردرا باش اے برادر دردرا

(اے برادر درد کے ہو کر رہو درد کے)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جس کے دل میں دین کا درد ہوگا وہی دین کا کام انجام دے سکتا ہے جو احکام ہیں ان پر عمل کرے گا جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے الگ رہے گا اور جس کو دین کا درد نہیں اس کے نزدیک حلال وحرام برابر ہے جو اس کا دل چاہے گا وہی کرے گا نہ حلال کو سمجھے گا اور نہ حرام سے الگ رہے گا۔

خاکسار نے پوچھا کہ یہ درد کس طرح حاصل ہوتا ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ غیبی معاملہ ہے جس کے دل میں ڈال دیتے ہیں اس کے دل میں وہ برابر بڑھتا ہی رہتا ہے جس طرح اور دوسرے درد کا حال ہے لیکن اس کے لئے خاص استعداد ہے اسی استعداد سے درد کو قبول کرنے کے لائق بن جاتے ہیں باطن کا تصفیہ اسی استعداد کے لئے ہے۔ پھر فرمایا اگر کسی کو اس کام میں رغبت پیدا ہوئی شروع میں کچھ چیز اس سے ظاہر ہوئی اس وقت وہ اپنے کو عاشق اور محب سمجھنے لگا عشق ومحبت کا دعویٰ کرنے لگا جب تک وہ مغلوب نہیں ہوا جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

من مست مئی عشقم ہشیار نخواہم شد

از رندی وقلاشی بیزار نخواہم شد

(میں شراب عشق سے ایسا مست ہوں کہ نہ ہوشیار ہو سکتا ہوں اور نہ رندی وقلاشی سے نفرت کر سکتا ہوں)

جب اس درد نے جگہ لے لیا تو نیند اور آرام جاتا رہا رات میں نیند نہیں دن میں

سکون نہیں اور نہ اس درد کا کوئی علاج ہی رہا واویلا اور واے مصیبتا کرنے لگا کہ یہ کیا ہوگیا اور کیسی مصیبت آگئی اسی حالت کو عشق کہتے ہیں اب نالہ و فریاد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور عجز و زاری بڑھ جاتی ہے کہ کاش یکایک یہ درد چلا جائے اور ختم ہو جائے تا کہ میں اس سے چھٹکارا پاؤں اور یہ درمیانی حالت ہے متوسطین کا یہی حال ہے ہر وہ شعر جس میں عشق، دردِ عشق، نالہ وزاری اور عشق سے فریاد ظاہر ہو اس کو اسی حال کے موافق سمجھنا چاہیئے (یعنی عاشقوں کے درمیانی درجے میں) جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

ای عشق بمن کجا فتادی

وی درد بمن چہ رخ نہادی

(اے عشق تو نے مجھے کہاں ڈال دیا اور اے درد تو نے مجھے کس رخ پر لگا دیا)

خاکسار نے عرض کیا کہ جب درمیانی حالت میں نالہ و فریاد، رہائی کی تلاش اور بے قراری کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں ان کے لوٹ جانے کا حکم نہیں دیا جاتا اور یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ گئے ہیں۔

فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں کرتے اس لئے کہ یہ (عشاق) جو کچھ کرتے ہیں حالت اضطرار یعنی بے چین ہو کر کرتے ہیں اور یہ کیفیت اس وقت تک رہتی ہے جب تک ان کی یہ خصلت نہ ہو جائے جب یہی عشق ان کا حال ہو گیا ان میں رس بس گیا تو ان کی بے قراری جاتی رہتی ہے اور پر سکون ہو کر یہ شعر پڑھتے ہیں۔

درد از جہت تو عین دار وست

زہر از قبل تو عین تریاک

(اگر آپ کی طرف سے درد ملے تو میرے لئے یہ عین دوا ہے

اور اگر میرے قتل کے لئے آپ کی جانب سے زہر ملے تو وہی میرے لئے تریاک ہے)

اسی وقت حاجی ابو سعید تشریف لائے اور شرف زیارت سے مشرف ہوئے حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت مضمحل تھی۔ مزاج پرسی کی۔ اس کے بعد عرض کیا اس غلام کی اہلیہ سخت علیل ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میری والدہ آج رو رہی تھیں میں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ "چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور ماں سخت بیماری میں مبتلا ہیں" میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اور وہی سب کو روزی دینے والا ہے۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کی نگاہ بس یہیں تک گئی کہ بچوں کی نگہداشت اور دیکھ بھال ماں کے ذریعہ ہوتی ہے، ماں کے انتقال سے یہ ذریعہ اور سبب اٹھ جاتا ہے، پریشانی سامنے آجاتی ہے اسی وجہ سے (آپ کی والدہ) رو رہی ہوں گی لیکن جس کی نگاہ سبب اور ذریعہ پر نہیں جاتی وہ یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور وہ ذریعہ اور سبب کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ ہوگا۔ یہ معاملہ راز میں ہے اور غیب کی باتوں پر دل کو مستحکم کرنا بہت مشکل اور اہم کام ہے اس کے لئے بہت استعداد اور قوت کی ضرورت ہے یہ استعداد انبیاء اور اولیاء کو حاصل تھی ان کی نظر ظاہری اسباب پر نہیں تھی، وہ مشیت پر بھروسہ رکھتے تھے ان بزرگوں کو غیب پر اعتماد ہے اور ہست و نیست ان کے نزدیک برابر ہے اگر ہے تب بھی اسی طرح رہتے ہیں اور اگر نہیں ہے تو بھی اسی طرح رہتے کسی چیز کے رہنے سے سکون ہو اور نہیں رہنے سے پریشانی بڑھے ایسی بات ان لوگوں کے ساتھ نہیں رہتی۔

عاقلاں از بلا بپرہیزند

مذہب عاشقاں دگر باشد

(صاحبانِ عقل بلا سے دور رہنا چاہتے ہیں اور عاشقوں کے بارے میں کیا کہا جائے ان کا تو مذہب ہی دوسرا ہے یعنی وہ تو بلاؤں سے کھیلتے ہیں)

خاکسار نے سوال کیا کہ جو اللہ پر اعتماد رکھتا ہے اس کو اعتماد کے بعد پریشان نہیں ہونا چاہئے اگر پریشان ہوتا ہے تو اس اعتماد میں کمی واقع ہوگی۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کمال تو یہی ہے کہ جب اللہ پر بھروسہ کرلیا تو پھر کسی طرح کی پریشانی کا احساس نہیں ہو۔ لیکن کسی میں اعتماد کی قوت کامل نہیں یا کامل قوت موجود ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ اس اعتماد میں خلل اور نقصان پیش آئے ہاں! اضطرار (بے چینی) ہو تو ہو لیکن اعتماد قائم رہے مثال کے طور پر ایک آدمی پیاسا تھا پانی وہاں موجود نہیں تھا کہ پیئے۔ اُس نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرلیا کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ پانی مہیا کردے اور اس پیاسے تک پہنچادے اسی حالت میں ایک مدت گذرگئی اور پیاس کی شدت بڑھنے لگی۔ پانی مہیا نہیں ہوا ہاں! بشریت ہے یا خلل کا خوف ہے ایسی صورت میں پریشانی بڑھے گی اگر قوت رکھتا ہے تو اعتماد کیئے ہوئے ہے کہ اس وقت نہیں ملا ہے تو دوسرے وقت مل جائے گا اور ایسا ہی ہوتا ہے کسی پر ایک مدت گذرتی ہے کسی پر دو مدت گذرجاتی ہے لیکن پانی تو یقیناً مل کر رہتا ہے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے پانی میسر نہ ہو اور ہلاک ہوجائے، فرمایا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ نہیں ملے اور وہ ہلاک ہوجائے کیونکہ اس کے بارے میں یہ حکم پہلے ہی ہوچکا ہے کہ وہ پیاسا رہے گا اس کو پانی نہیں دیں گے اور اسی حال میں وہ مرجائے گا۔ لیکن یہ چاہئے کہ اگر پانی نہیں ملے تو اس نایافت کو اپنی موت کا سبب تصور کرے اور یہ سمجھ لے کہ میری قسمت میں نہیں ہے، میرا یہی مقدر تھا اس لئے نہیں ملا۔ ایسے وقت میں اپنے اعتقاد کی اچھی طرح حفاظت کرے اس لئے کہ شیطان ایسے ہی وقت میں آتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے کہ تو

نے حق پر بھروسہ کیا تھا اور جو اللہ پر اعتماد رکھتا ہے اس کے متعلق یہ حکم ہے کہ ڈگمگائے نہیں اور یہاں تمہارا اعتماد ڈگمگایا، دوسری چیزوں میں بھی تم نے جو عقیدہ رکھا وہ بھی ایسا ہی ہے۔ یہیں سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ اپنی پناہ میں رکھے دوسری چیزوں میں جو اعتقاد ہوتا ہے اس سے وہ (شیطان) کہیں پلٹا نہ دے چاہئے کہ ایسے مواقع میں اپنے کو اچھی طرح بچا کر رکھے اور محفوظ رہنا اللہ کی عنایت ہی پر منحصر ہے۔

خاکسار نے پوچھا کہ ہست و نیست ایک ہو جائے اور دل غیب کی باتوں پر مطمئن ہو جائے یہ صفت کس نظر سے پیدا ہوتی ہے؟

فرمایا کہ معرفت سے۔ جب اس بات کا عرفان حاصل ہو گیا کہ اٹھارہ ہزار عالم بلکہ لاکھوں عالم کو بغیر ذریعہ اور سبب کے قائم رکھتا ہے چاہے سبب ہو یا نہ ہو ہر حال میں قائم رکھتا ہے جب یہ معرفت یقین کی حد کو پہنچ جاتی ہے تو صاحب معرفت صاحب یقین ہو جاتا ہے اور یہ بات معرفت علمی سے حاصل نہیں ہوتی اس لئے کہ معرفت علمی تو صحت ایمان کے لئے ایک شرط ہے ان ارباب یقین کی نظر میں حاضر اور غائب ایک ہو جاتا ہے جو دوسروں کے لئے غائب ہے وہ ان کے نزدیک یقین کی رو سے حاضر ہے۔

عیب کنندم کہ چہ دیدی درو
کور نہ داند کہ چہ بیند بصیر

(لوگ مجھے برا بھلا کہتے ہیں کہ آخر تم نے اس میں کیا دیکھ لیا [جو اپنا یہ حال بنالیا]
اندھے کو کیا معلوم کہ آنکھ والے کیا دیکھتے ہیں)

فرمایا کہ جس وقت عارف یقین کی منزل میں پہنچ جاتا ہے اس وقت لوگوں کی تعریف اور تذلیل ایک ہو جاتی ہے۔ لوگوں کی تعریف کرنے کو مدح کہتے ہیں اور ملامت

کرنے کو ذم کرتے ہیں۔ ارباب معرفت ویقین کے نزدیک دونوں کی حیثیت ایک ہے نہ لوگوں کی تعریف کرنے سے خوش ہوتے ہیں اور نہ ملامت کرنے سے رنج وتکلیف پہنچتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس حدتک یقین کا عرفان حاصل ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو ساری مخلوق ابویزید، امام جنید، زاہد، پارسا، عابد اور مسلمان جیسے القاب سے نوازے تو ان کو کیا فائدہ پہنچے گا اس لئے کہ وہ اللہ کے نزدیک ان تمام اوصاف کے لائق ہیں ہی نہیں بلکہ اس کے برعکس ہیں اسی طرح ملامت میں اگر کسی کو ساری مخلوق کافر کہے اور گالی دے تو ان کا کیا نقصان ہوگا اس لئے کہ اللہ کے نزدیک تو وہ صاحب مرتبہ ہیں اسی لئے ان کی نگاہ میں مخلوق کی تعریف اور ملامت برابر ہے۔

صاحب نظر نہ باشد دربند نیک نامی ✵ خاصاں چہ باک دارند از گفتگوی عامی

گرفتارِ کمند خوب رویاں ✵ نہ از مدحت خبر دارند نہ از ذم غلامی

(جو صاحب نظر ہوتے ہیں وہ نیک نامی کی فکر میں نہیں رہتے، جو صاحبانِ حق ہیں ان کو عوام کے اعتراض کا ڈر نہیں ہوتا جو حسینوں کے عشق میں گرفتار ہیں ان کو نہ آقاؤں کی تعریف کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ غلاموں کی تذلیل کی)

اس سے بھی ایک اہم مرتبہ ہے اور وہ اعلیٰ مرتبہ ایسا ہے جس پر بہت کم حضرات فائز ہوئے ہیں۔

مخلوق کی تعریف وتذلیل ان کے نزدیک برابر ہو اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ لوگوں کی ملامت سے ان کو خوشی ہو اور تعریف سے رنجیدہ ہوں جو ان کو گالی دے اس کی محبت ان کے دل میں پیدا ہو اور جو تعریف کرے اس سے دشمنی ہو یہ بات اسی وقت پیدا ہوگی جب انسان اپنے نفس کی برائیوں سے واقف ہوگا نورِ بصیرت جو ان کے اندر ہوتی ہے

اس سے اپنے نفس کی برائیوں کو دیکھتے ہیں کوئی پسندیدہ عمل اپنے اندر نہیں پاتے نفس کی دشمنی کا مشاہدہ ہوتا ہے ایسی صورت میں جب کوئی ان کو برا کہتا ہے تو اس کا نفس جوان کا دشمن ہے وہ اس ملامت کرنے والے کا دشمن بن جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس سے دشمن عداوت رکھتا ہے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی کے برعکس جب کوئی ان کی تعریف کرتا ہے تو نفس جوان کا دشمن ہے تعریف کرنے والے کی ستائش کرتا ہے اس لئے مدح کرنے والے سے ان کے دل میں دشمنی پیدا ہوتی ہے یہ بات اسی مقام سے پیدا ہوتی ہے اور یہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہے۔

اس کے بعد قدرت اور کرم کے بارے میں گفتگو ہونے لگی حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ جب مومن کی نظر کرم پر ہوتی ہے تو اسے تسلی اور تسکین حاصل ہونے لگتی ہے جب مومن کی نظر قدرت اور بے نیازی پر ہوتی ہے تو علم وعقل گم ہو جاتی ہے بندہ محو حیرت ہو جاتا ہے اور سب کچھ جاتا رہتا ہے۔

چشم مست تو خون من ریختہ بود
آہ ار نہ لب تو دستگیرم بودے

(اگر آپ کے لب شیریں میری مدد نہ کرتے تو آپ کی مستی بھری آنکھوں نے تو میرا قتل کر ہی دیا تھا)

مجلس - ۸

بارگاہ مخدوم میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ خاکسار نے عرض کیا لوگوں نے مختلف کتابوں میں لکھا ہے کہ جس میں قابلیت ہوتی ہے اس کو دولت مل کر رہتی ہے اور جس

میں استعداد نہیں ہوتی وہ محروم رہتا ہے یہ اللہ کے جاری کردہ اصول کے تحت ہے لیکن اس کی قدرت سے یہ بعید تو نہیں ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں! ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد خاکسار نے استعداد کی حد دریافت کی۔ ارشاد ہوا جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان کی بجا آوری اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز۔

خاکسار ہی نے سوال کیا کہ کیا درد اور محبت باطن کی مشغولی سے پیدا ہوتی ہے اور اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے پرہیز کا تعلق ظاہری عمل سے ہے؟

جواب ملا کہ اس کا تعلق باطن سے بھی ہے جیسا کہ ارباب طریقت کا ہر وہ عمل جو ان کے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اس کو یہ حضرات اپنے باطن سے بھی کسی نہ کسی طرح منسلک اور متعلق کر لیتے ہیں مثلاً اس آیت کریمہ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ [المائدہ/۶] میں چہرہ اور ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے یہ اس کی ظاہری تفسیر ہوئی۔ اس ظاہری تفسیر کا اطلاق عوام و خواص دونوں پر ہوگا لیکن مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ یہ ظاہری تفسیر ہے اس کی باطنی تفسیر غسل معنوی کی گئی ہے یعنی چہرہ غیر محرم کے دیکھنے سے دھونا، ہاتھ کو حرام چیز لینے سے دھونا اور پاؤں کو ناجائز جگہ پر جانے سے دھونا اس کی باطنی تفسیر ہے اور یہ خاص تفسیر خواص کے لئے ہے اس لئے کہ اس طرح عمل کرنا ان ہی کا کام ہے یا ان کے متبعین کا۔ خواص کے لئے ان کے مقام کی مناسبت سے ان باطنی احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور جو ان کی اتباع اور پیروی کرنے والے ہیں ان پر پیروکار ہونے کی وجہ سے فرض ہو جاتا ہے اس کو فرض حالی کہتے ہیں فرض شرعی نہیں کہتے۔ ان کے مقام کے اعتبار سے نماز کے جواز کے لئے جس طرح ظاہری طہارت شرط ہے اسی طرح باطن کی طہارت بھی شرط ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہر وہ کام جو وجود میں آنے والا ہوتا ہے اس سے قابلیت کا تعلق ہوتا ہے اور اسی قابلیت کی وجہ سے وہ کام اس سے وجود میں آتا ہے اگر قابل نہیں ہے تو ہرگز وہ کام اس سے نہیں ہو سکتا۔

قاضی نصر اللہ نے قابل کی تعریف دریافت کی۔ ارشاد ہوا کہ جو معنی کو معنی سے قبول کرے وہی قابل ہے (یعنی جو مفہوم اور مطالب کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے) جس طرح طلباء میں کوئی تیز اور ذہین ہوتا ہے اگر اس کو پڑھایا جائے تو اخذ کر لیتا ہے اور اشارہ سے سمجھ لیتا ہے ایسے ہی طالب علم کو قابل کہتے ہیں یعنی جو کچھ سنتا ہے اس کو قبول کر لیتا ہے۔ اسی کے برعکس جو قبول کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا اس کو کتنا ہی پڑھایا جائے بلکہ ہزاروں بار پڑھایا جائے ذرہ برابر اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ سبق اس کے پلے نہیں پڑتا وہ ایسا ہی رہتا ہے جیسے اس کو بتایا ہی نہیں گیا اور اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔

اسی طرح ایک دوسری مثال ہے کہ دو مکان ہے ایک میں نقاشی کرتے ہیں تو نقش ونگار ابھرتا ہے اور دوسرا مکان سیاہ کھردرا ہے اس پر نقاشی کی جاتی ہے تو کوئی نقش نہیں ابھرتا وہ نقش ونگار کو قبول ہی نہیں کرتا۔

اسی طرح اگر کوئی نقاش کسی کاغذ پر نقاشی کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کاغذ کی زمین پر وہ رنگ چڑھاتا جو نقاشی کے لئے مخصوص ہے اس کے بعد نقش ونگار بناتا ہے اب اس کاغذ پر نقش ونگار بن جاتے ہیں اور ابھر آتے ہیں۔ آخر یہ کیا ہے؟ سنئے! پہلے کاغذ کو نقش قبول کرنے کے قابل بنایا گیا تب اس کاغذ نے نقش ونگار کو قبول کیا۔

اسی طرح اس انگوٹھی کی مثال دیکھئے جس سے مہر کرتے ہیں۔ اگر مٹی پر یا موم پر

اس انگوٹھی کو رکھ کر دبائیں تو مہر ابھر آئے گی اور اگر پتھر پر دبائیں تو مہر نہیں ابھرے گی اسی طرح ہر ایک چیز میں ہے۔

اس کے بعد سوال ہوا کہ عدم قابلیت کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ دو صورت ہوتی ہے یا تو پیدائشی کمی ہوگی یا پیدائشی کمی نہیں ہوگی یعنی دنیا میں آنے کے بعد اس نے ایسی عادتوں کو اختیار کر لیا جو معانی و مطالب کو قبول نہیں کرتے ایسی صورت میں جہاں عارضی اسباب ہیں اتنی محنت اور کوشش کی جائے کہ وہ بری عادتیں دور ہو جائیں اور قابلیت پیدا ہو جائے۔ پیری اور مریدی کی ضرورت اسی وجہ سے ہے، پیر اپنی ولایت کی قوت سے اتنی محنت کراتا ہے کہ وہ عادتیں مٹ جاتی ہیں۔ اور اصلی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اور جس کو قابلیت حاصل ہے اس کے لئے پیر کی ایک نظر اور ایک عطا ہی کافی ہے۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ جس وقت یہ فرما رہے تھے اس وقت حجرہ کے سامنے باہر میں جلوہ افروز تھے آگے میں صحن ہے۔ قابلیت اور عدم قابلیت کی وجہ ذہن نشین کرانے کے لئے آپ نے اسی حجرہ اور صحن وغیرہ کی مثالیں پیش کیں۔ فرمایا کہ آفتاب کی شعاع اس دیوار اور صحن میں اس لئے پہنچ رہی ہے کہ شعاع اور صحن کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے لیکن اس حجرہ کے اندر جس پر چھت ہے شعاعیں نہیں جارہی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حجرہ کے آگے دیواریں ہیں جو آفتاب کی شعاع اور حجرہ کے اندرونی حصہ کے درمیان حائل اور مانع ہیں اور رکاوٹ بنی ہوئی ہیں اگر حجرہ کے سامنے سے ان سب کو توڑ کر ہٹا دیا جائے تو یہ بھی ویسا ہی ہو جائے جیسے صحن ہے اس میں آفتاب کی شعاع آنے لگے گی۔ آنگن کی دیوار

جس کے آگے کوئی روک نہیں شعاع کو قبول کرنے کے قابل ہے اس لئے شعاع کو قبول کر رہی ہے لیکن حجرہ، چھت اور آگے کی دیواروں کی وجہ سے شعاع کو قبول کرنے کے قابل نہیں اس لئے قبول نہیں کر رہا ہے۔

چہ وجود نقش دیوار و چہ آدمی کہ با او

سخنے زعشق گویند و در واثر نہ باشد

(دیوار کے نقش ونگار ہوں یا نقش ونگار بنانے والا مصور ہو

اگر اس کے سامنے عشق کی باتیں کی جائیں تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا)

اس کے بعد فرمایا کہ یہی سبب ہے کہ عالم غیب سے جو چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ اتنی ہی ظاہر ہوتی ہیں جتنی قابلیت ملک ظاہر کو ہوتی ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ فقہ کے کم مایہ طلباء ایسے بھی ہیں جو بال کی کھال نکالتے ہیں لیکن اگر ان سے نحو اور علتوں کے بارے میں سوال کیا جائے اور یہ پوچھا جائے کہ یہ رفع کیوں ہے اور یہاں پر نصب کیوں ہے تو جواب دینے سے قاصر رہیں گے اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقہ کے قابل تو ہیں لیکن نحو اور علتوں کی قابلیت نہیں رکھتے علم کے اعتبار سے کیا فقہ، کیا نحو، کیا علل، کیا یہ، کیا وہ۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہر شخص کے اندر الگ الگ قابلیت ہوتی ہے اسی قابلیت سے وہ کچھ سیکھتا ہے اور کوئی ایسا بھی ہے جس کی طبیعت پاک وصاف ہے جو کچھ سنتا ہے قبول کر لیتا ہے تمام علوم پر حاوی ہو جاتا ہے اور حاصل کر لیتا ہے۔ ایسے ہی شخص کو کہا جائے گا کہ ہر معنی کے لئے قابل ہے لیکن ایسے اشخاص کم ہوتے ہیں۔

خاکسار نے پوچھا کہ نماز میں خضوع وخشوع کی حد کیا ہے؟

جواب ملا کہ معنی کے اعتبار سے خضوع وخشوع ایک ہی ہے لیکن اس کی حد یہ ہے کہ ظاہری اعضاء میں سے ہر عضو کو شرع کے مطابق رکھے اور باطن میں اس پر یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے تمام احوال، افعال اور ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہے اور اس سے باخبر ہے مثلاً آنکھ کے لئے یہ حکم ہے کہ قیام کے وقت نظر سجدہ کی جگہ پر ہو، سجدہ کی حالت میں نگاہ ناک پر ہو اور قعدہ یعنی نشست کے وقت پہلو پر ہو اسی طرح ہر عضو کے لئے الگ الگ حکم ہے۔

خاکسار نے سوال کیا کہ خضوع وخشوع دل کے عمل سے ہے؟

فرمایا کہ ہاں! دل ہی کے عمل سے ہے لیکن جب دل میں خضوع وخشوع ہوتا ہے تو اس کا اثر ظاہری جسم پر بھی ہوگا اس لئے کہ جوارح کے افعال دل کے احوال کے مطابق ہوتے ہیں اگر دل میں احوال محمودہ ہیں یعنی دل قابل تعریف صفتوں سے بھرا ہوا ہے تو ہاتھ پاؤں سے بھی اچھے افعال رونما ہوں گے۔ اگر دل میں احوال مذمومہ یعنی بری حالتیں ہیں تو ہاتھ پاؤں سے بھی برے افعال ظاہر ہوں گے یہی سبب ہے کہ طریقت میں دل کو ٹھیک رکھنا اور سنوارنا بنیادی قوت ہے اس بنیاد کے بغیر مرید کا کوئی کام درست نہیں ہو سکتا۔

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ جس وقت دل میں خضوع وخشوع پیدا ہوتا ہے اس وقت مناجات کی کیفیت سامنے آجاتی ہے؟

ارشاد ہوا کہ یقیناً، پوشیدہ اور راز کی باتوں کو کہنا مناجات ہے پہلے حضوری ہو اس کے بعد راز کی باتیں کی جائیں۔ جیسا کہ مشاہدہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب دو آدمیوں کے درمیان راز ہو تو دونوں ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں لیکن اگر ایک کا دل کہیں دوسری جگہ ہو تو ایسی صورت میں وہ کیا راز کی باتیں کرے گا اور کس سے کہے گا۔

پھر خاکسار نے عرض کیا مناجات کی مختلف نوعیتیں ہو سکتی ہیں یعنی ایک ہی شخص مناجات میں کسی وقت تسبیح، تقدیس اور تنزیہہ میں مشغول ہو اور کسی وقت اپنی حقارت، شرمندگی، نالائقی اور بے چارگی کو پیش کرے۔

جواب دیا کہ ہاں! ایسا بھی ہوتا ہے۔

خاکسار نے سوال کیا کہ بزرگوں کو نماز میں جو سہو ہوتا ہے وہ ایسی ہی حالت میں ہوتا ہے؟

فرمایا ہاں! ایسے ہی مواقع میں ہوتا ہے جب دل ایسی کیفیتوں میں مشغول ہو گیا تو کون کون ارکان ادا ہوئے اور کون کون افعال پورے ہوئے ان کی یاد دل سے جاتی رہتی ہے وہ یہ سب کچھ نہیں جانتے کہ کیا ادا کر رہے ہیں اور کیا ادا کیا۔ اکثر بزرگوں نے اسی وجہ سے امامت نہیں کی ہے اس لئے کہ یہ حضرات جب نماز شروع کرتے ہیں تو خضوع و خشوع مناجات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری پیدا ہو جاتی ہے اور دل نماز کے ارکان و افعال سے غافل ہو جاتا ہے ایسے میں نماز کیسی ہوگی۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

در کوئے خرابات کسے راکہ نیاز است

ہشیاری و مستی ہمہ در عین نماز است

(جس کسی کو شراب خانے کی گلیوں میں نیاز مندی حاصل ہو جائے

وہ عالم ہوشیاری میں ہو یا حالت مستی میں وہ عین نماز میں ہے۔)

بعض بزرگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امام مقرر کیا ہے یہ بات ابتدائی اور درمیانی زمانہ میں رہی جب مقام تلوین[8] سے مقام تمکین[9] میں پہنچے تو اس وقت سہو بہت کم ہوتا ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر وقت مقام تمکین حاصل تھا پھر آپ ﷺ سے سہو کیوں کر ہوا تو اس کا یہی جواب ہوگا کہ شریعت کی وضاحت کے لئے۔ دوسری بات یہ کہ ہم نے کم تر کی قید کی ہے یعنی بہت کم سہو ہوتا ہے یہ نہیں کہا کہ سہو ہوتا ہی نہیں۔

پھر عرض کیا کہ کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض کی نماز میں شروع سے آخر تک مناجات اور خضوع وخشوع کی کیفیت رہتی ہے؟ فرمایا کہ ہاں!

خاکسار نے سوال کیا کہ کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی وقت ایک رکعت میں خضوع و خشوع پیدا ہوا اور اس رکعت کو طویل کر دیا؟

جواب ملا کہ ہاں! ایسا بھی ہوتا ہے کہ طویل کر دیتے ہیں اس لئے کہ پھر وہ وقت کہاں ملے گا ہو سکتا ہے کہ دوسری رکعت میں وہ کیفیت حاصل نہ ہو اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں اس کے بعد کیا ظاہر ہو اس لئے دوسرے ارکان کو سادگی کے ساتھ ادا کرتے ہیں معنوی اعتبار سے وہ نماز خود نماز نہیں ہے ہاں! اس اعتبار سے کہ جواز کے شرائط موجود ہیں شرع اس کو جائز قرار دیتی ہے۔

ایں جا نہ پذیرند نماز و ورع و زہد

آنچہ از تو پذیرند در آں کوئے نیاز است

(یہ وہ مقام ہے جہاں نماز، پرہیزگاری اور زہد قابل قبول نہیں

یہاں تو تمہاری اسی نیازمندی کو شرف قبولیت حاصل ہوگی)

مجلس - ۹

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولانا نصیر الدین امام قاضی صفی نے اس حدیث قال علیه السلام من زنی بامرأة ثم نکحها فھما زانیان ابداً کی تاویل دریافت فرمائی۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زنا کے فعل کا ارتکاب کسی مرد وعورت سے نکاح کے قبل ہوا ہے اور یہ حرام ہے نکاح کے بعد زنا کا یہ فعل حلال نہیں ہو جاتا، زنا کا یہ فعل نکاح کے بعد بھی قائم رہا تو یہ دونوں زنا کی صفت سے متصف رہیں گے اگر اس فعل سے، توبہ کر لیتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ توبہ سے گناہ دھل جائے گا لیکن عین فعل زنا رفع نہیں ہوگا اگر قاضی کو ان کے اس فعل زنا کی اطلاع مل گئی تو ان کے توبہ کرنے کے باوجود وہ انہیں مار ڈالیں گے یعنی سنگسار کر دیں گے۔

خاکسار نے سوال کیا ایسا گناہ جس کے لئے سزا اور حد مقرر ہے اس کو چھپانا بہتر ہے یا حاکم کے سامنے اس کا اظہار کر دینا بہتر ہے تاکہ وہ اس پر حد ظاہر کر دے۔

جواب ملا کہ اجازت تو ظاہر کرنے کی ہے لیکن چھپانا بہتر ہے یعنی گناہ کو چھپائے اور توبہ کر لے۔ اس وقت حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی گناہ کو چھپا لیتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے تو ایسی صورت میں وہ یہاں سزا اور حد سے بچ جائے گا لیکن قیامت کے دن اس کو سزا ہوگی یا نہیں؟

فرمایا کہ نہیں ہوگی جب اس نے چھپا لیا اور توبہ کر لیا تو جو عذاب اور سزا اس کے

لئے مقرر تھی وہ معاف کر دی جائے گی۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آج کسی کے عیب کو ظاہر نہیں کیا اور اپنی قدرت ورحمت سے اس کو ظاہر نہیں فرمایا تو اس کے کرم سے یہ بھی امید ہے کہ کل قیامت کے دن بھی رسوا اور ذلیل نہیں کرے گا۔

وَالسَّلام

مجلس - ۱۰

زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ قاضی اشرف الدین نے عرض کیا لوگوں میں مشہور ہے کہ قیامت میں درجات انہیں کو حاصل ہوں گے جو دنیا میں روزہ، نماز، مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہے اور ایسے ہی لوگوں کو سالک کہا جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی تو عبادتیں ہیں مثلاً خدمت، اہل وعیال کے لئے روزی کمانا، مسلم بھائیوں کے کاموں کے لئے کوشش اور اسی طرح کی دوسری عبادتیں۔ اس دوسری قسم کی عبادتوں میں مشغول رہنے والے کو سالک کہا جائے گا یا نہیں اور جس طرح نماز روزہ سے ترقی ہوتی ہے اسی طرح راہ سلوک میں ان عبادتوں سے ان لوگوں کو ترقی ہوتی ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! ان کاموں میں بھی سلوک ہوتا ہے اور جس طرح نماز روزہ سے ترقی ہوتی ہے ان سے بھی ہوتی ہے عمل کی حیثیت سے سب برابر ہیں جس طرح روزہ اور نماز کا حکم ہے اسی طرح بندہ ان کاموں کی بجا آوری پر بھی مامور ہے

اس معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں چونکہ روزہ نماز خاص اللہ کے لئے ہے دوسرے کو اس کا فائدہ نہیں پہنچتا اس لئے اس کو دوسری عبادتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

سوال ہوا کہ نماز و روزہ کے علاوہ جو عبادتیں ہیں ان کا فائدہ دوسروں کو ملتا ہے اور روزہ اور نماز کا فائدہ صرف اسی شخص کو ہوتا ہے ایسی صورت میں دوسری عبادتوں کو روزہ اور نماز پر فضیلت ہونی چاہیے۔

جواب ملا کہ روزہ اور نماز کا فائدہ گرچہ روزہ رکھنے والے اور نماز ادا کرنے والے ہی کو ملتا ہے لیکن یہ فائدہ ضمنی ہے قصدی نہیں (یعنی اس نے اپنے فائدہ اور ثواب کے لئے عبادت نہیں کی بلکہ عبادت کی نیت اور قصد محض اللہ کے لئے ہے) اگر شارع اسلام محمد رسول اللہ ﷺ نماز و روزہ کے ثواب کا وعدہ نہیں کرتے تب بھی بغیر ثواب کے فرض ہوتا، ظاہر یہ ہوا کہ نماز و روزہ ادا کرنے والے کو جو ثواب اور فائدہ ملتا ہے وہ ضمنی ہے قصدی نہیں اس کا قصد اور ارادہ تو مولیٰ کی عبادت ہے۔

اس وقت خاکسار نے عرض کیا مالی عبادت متعدی ہے یعنی اس کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے اس لئے لوگوں نے مالی عبادت کو بدنی عبادت سے افضل لکھا ہے۔

ارشاد ہوا کہ ہاں! لیکن یہ نفل عبادتوں میں ہے فرائض میں دونوں برابر ہیں۔

اسی درمیان قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ماں باپ کی خدمت کے صلے میں جتنی خوشخبریاں اور وعدے ہیں اتنی نفل نماز اور روزے میں نہیں۔ اس لئے ماں باپ کی خدمت نفل نماز و روزہ سے افضل ہوئی۔ فرمایا کہ ہاں! افضل ہے شرعت الاسلام میں مرقوم ہے کہ ماں کی خدمت، روزہ، نماز، زکوٰۃ اور حج سے افضل ہے لیکن یہ نفل نماز، روزہ وغیرہ میں ہے۔

مجلس - ۱۱

شرف زیارت سے مشرف ہوا۔ قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کچھ لوگ مزار پر تحفہ پیش کرتے ہیں اور ان کی روح کو کھانا دیتے ہیں یہ صاحب مزار کی بزرگی کی دلیل ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! یہ ان کی بزرگی اور ان کی نیکیوں کی دلیل ہے جو انہیں اللہ کے نزدیک حاصل ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ جو کھانا روزانہ معمول کے مطابق ہوتا ہے اس کو اگر کسی کی روح کو بخش دیں یعنی یہ نیت کریں کہ میں نے اس کو فلاں کی روح کو بخش دیا تو یہ عمل کیسا ہے؟

جواب ملا کہ اس کی نیت خود کھانے کی ہے نہ کہ کسی کی روح کو بخشنے کی۔ اگر نیت نہیں کی تو پکا کر کھالیا۔ پھر فرمایا کہ مومن کا کھانا تناول کرنا خود عبادت ہے، کھانے کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ اس کھانے سے جو ثواب حاصل ہوا اس کو فلاں کی روح کو بخش دیا تو یہ بہت اچھی نیت ہے اگر اس طرح پر کرے تو کرنا چاہئے۔

پھر سوال ہوا کہ اگر کسی نے کسی کے لئے فاتحہ پڑھی دل میں یہ نیت بھی کی کہ یہ فاتحہ فلاں کی روح کو بخشتا ہوں لیکن زبان سے نہیں کہا تو یہ کیسا ہے؟

جواب دیا کہ یہی کافی ہے لیکن زبان سے بھی کہہ دے تو بہت اچھا ہے جیسا کہ نیت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نیت دل سے ہے لیکن زبان سے کہنا مستحب ہے اور زبان سے جو نیت کی جاتی ہے وہ دراصل عبادت ہے اس لئے زبان سے بھی کہہ دے تو اس کا ثواب ہوگا اور یہ عبادت قاعدہ کے مطابق ہوگی لیکن یہ اس سے مشابہ نہیں ہے تو زبان ہی سے کہنے کی کیا ضرورت ہے اگر کہہ دے تو یہ تاکید اور تکرار کے لئے ہوگی۔

مجلس - ۱۲

زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔خاکسار نے عرض کیا امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال و اسباب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپ پر سب کچھ نثار کر دیا اس وقت اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ رکھا یا نہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا مَا خَلَفْتَ لِعِيَالِكَ (آپ نے اپنے بچوں کے لئے کیا رکھا) تو انہوں نے جواب دیا کہ اللهُ وَرَسُولُهٗ (بچوں کے لئے اللہ اور اس کا رسول ہے)۔

رہ بخرابات برد عارف پرہیز گار
سفرۂ یک روزہ کرد نقد ہمہ روزگار

(عارف پرہیز گار خرابات کی اس راہ پر چل پڑتا ہے جہاں
ایک دن کے دستر خوان پر زمانے کی ساری دولت کو نثار کر دیا جاتا ہے)

پھر خاکسار نے پوچھا کہ آپ یعنی (حضرت ابو بکر صدیقؓ) نے اپنی زوجہ کے لئے کچھ الگ کیوں نہیں کیا؟ جواباً فرمایا کہ فرض توحید کا آفتاب آپ کے اندر ایسا تاباں تھا کہ اس کے مقابلے میں سب کچھ گم کر دیا اس طرح کی جو روایت بھی کسی بزرگ کے متعلق نظر آئے اس کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہیے کہا گیا ہے کہ اِذَا جَاءَ الصَّبَاح ذَهَبَ المِصبَاح (جب صبح نمودار ہوئی تو چراغ رخصت ہوا) اور یہ شعر پڑھا۔

در آں ساعت کہ او یادِ من آید

فراموشم شود موجود و معدوم

(جس وقت مجھے اس کی یاد آتی ہے اس وقت جو کچھ موجود ہے اور معدوم ہے سب کو بھول جاتا ہوں)

خاکسار نے سوال کیا کہ ان کی اہلیہ نے اس کے بارے میں ان سے کچھ کہا یا نہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واللہُ اعلم اللہ بہتر جانتا ہے کہ کہا یا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ روزانہ کا کھانا اور خرچ واجب ہے جو دن آتا ہے اس دن کا خرچ واجب ہوتا ہے تو پھر اس سے زیادہ کی کیا ضرورت۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی اہلیہ نے اس کام میں ان کا ساتھ دیا ہو اور اِن کی رضا بھی شامل ہو۔

پھر سوال ہوا کہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہمیشہ تھا کہ گھر والوں کی خوراکی کے لئے ظاہری اسباب سے تعلق نہیں رکھتے تھے؟

فرمایا کہ ہاں! ہمیشہ یہی حال تھا چونکہ آپ صادق تھے اس لئے ظاہری اسباب کا سہارا نہیں لیتے غیب سے جو آجاتا اسی پر اکتفا کرتے آپ کے پورے حال کا تعلق غیب پر تھا۔

فرمان عقل و عشق بہ یکجا نمی شود

غوغا بود دو بادشہ اندر ولایتے

(عقل و عشق کے فرمان ایک ساتھ جاری نہیں ہوتے، جس طرح ایک ملک میں دو بادشاہ کے رہنے پر نالہ و فریاد اور شور و ہنگامہ برپا ہو جائے اسی طرح عقل و عشق کے فرمان ایک ساتھ جاری نہیں ہوتے)

خاکسار نے دریافت کیا کہ اس زمانے میں شادی بیاہ میں جو رسم و رواج ہے مثلاً عورتوں اور مردوں کا اجتماع ہوتا ہے اس کے علاوہ اور دوسری چیزیں بھی ہوتی ہیں یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے وقت میں اس کا رواج تھا یا نہیں؟

فرمایا یہ سب تو تھا لیکن اس طرح پر نہیں جیسا اس زمانے میں ہے۔ اجتماع ہوتا جو کچھ موجود ہوتا وہ پیش کیا جاتا، کچھ دیر نشت و برخواست ہوتی پھر فرصت ہو جاتی لیکن آج کل جس درجہ بڑھا ہوا ہے ایسا تو نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن لوگوں کو آخرت کا غم گھیرے ہوئے تھا اور اُن کا دل اسی غم میں ڈوبا ہوا تھا اگر اِن کے یہاں کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کی محبت میں اُس کی خوشی اُن پر غالب نہیں ہوتی تھوڑی دیر کے لئے خوشی ہوتی اور ختم ہو جاتی وہ بھی بے انتہا اندوہ کے ساتھ، ان لوگوں کو ہر وقت موت، قبر اور قیامت کی فکر دامن گیر رہتی خوشی یا خوشی کا کوئی کام اگر پیش آجاتا تو اِن کو اُلجھن ہوتی کسی چیز سے بھی اِن کو آرام وسکون حاصل نہیں تھا کسی چیز سے خوشی اور مسرت اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب عاقبت بخیر اور اُس کے خوش آئند انجام کی اطلاع سامنے ہو۔

زدنیا بخش ما غم خوردن آمد ☆ نہ شاید غم خوردن اِلّا رزق مقسوم

روزِ شادی راشب غم درقفا است ☆ چوں دریں باشید یاد آورید

(اس دنیا سے ہمارے حصے میں غم کھانا آیا ہے۔ جو روزی قسمت میں لکھ دی گئی ہے اس کے لئے غم کھانا کیا

خوشی کے دن میں غم کی رات بھی پوشیدہ ہے جب تک اس دنیا میں رہو اس بات کو یاد رکھو)

پھر سوال ہوا کہ اُس زمانے میں مردوں کو جس قدر (دین) کا غم تھا اُسی قدر عورتوں کو بھی تھا؟ فرمایا کہ عورت اور مرد سب اسی غم میں مبتلا تھے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

کسے کہ فتنہ جادوے برخمار تو نیست

مگر کسے است کہ در عہد روزگار تو نیست

(آپ کے زمانے میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو آپ کے خمار کے جادو میں مبتلا نہیں ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ اُس زمانہ میں سب کے دل صاف تھے اسی لئے غم اُن کے دلوں میں گھر کر گیا تھا اِس زمانہ میں دلوں میں وہ غم نہیں اِسی لئے شادی بیاہ کے رسوم میں تکلفات اور مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔

خاکسار نے سوال کیا کہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ جو شخص اِس گروہ (صوفیاء) کی صحبت اختیار کرے اُس کو سب سے پہلے اپنی لذتوں اور اپنے حصے کی چیزوں سے باز آجانا چاہئے اِس سے دنیوی حظوظ اور نصیب مراد ہے یا اخروی؟

جواباً فرمایا کہ نہیں اخروی حصے اور لذتیں مراد نہیں ہیں بلکہ اس کا اطلاق دنیوی حصے اور لذتوں پر ہوگا اس لئے کہ جھگڑا تو دنیا کی چیزوں کے لئے ہوتا ہے اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے اپنے لئے کسی چیز کا مطالبہ کرے کہ یہ مجھے دے دو اور اُس شخص کو خود اُس کی حاجت ہے اگر نہیں دیتا ہے تو دونوں میں لڑائی اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے کہ اُس کی خواہش پوری نہیں ہوئی اگر یہ دستار کوئی ہم سے لے لے تو ہمارے پاس سے یہ چیز نکل جائے گی دنیا کی نعمتوں میں اسی طرح کا جھگڑا ہوتا ہے لیکن کسی کے پاس اگر ضرورت سے فاضل اور زیادہ ہے تو کسی کے مانگنے پر دے دیتا ہے تو اُس کے دینے سے کوئی دشواری اور پریشانی نہیں ہوتی لیکن چیز تو چلی جاتی ہے۔ ہاں! آخرت کی نعمتوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہے اگر اس میں سے کسی کو کچھ بخش دیں تو کیا کمی ہوگی ایسا نہیں ہے کہ اخروی نعمتوں میں سے کچھ دے دیں تو وہ اُن سے جدا اور علحدہ ہو جائے اور اُن کے پاس سے نکل جائے وہ اُسی طرح قائم رہتی ہے اِس میں کمی اور تنگی نہیں ہوتی، جھگڑا نہیں ہوتا بلکہ نعمت میں اور اضافہ ہوتا ہے جتنا بھی دے دیں کمی نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ علمائے آخرت کے درمیان کوئی جھگڑا اور کوئی دشمنی نہیں ہے اور علمائے دنیا میں اسی کے برعکس جھگڑا ہی جھگڑا ہے۔

براہِ عقل برفتند سید ما بسیار
کہ راہ بعالم دیوانگی نہ دانستند

(ہمارے بہت سارے سردار عقل کے راستے پر چل رہے ہیں عالم دیوانگی کی راہ وہ جانتے ہی نہیں)

خاکسار نے سوال کیا کہ بزرگوں سے دل اور زبان کے ذریعہ اخروی نعمتوں کا سوال کرنا بہتر ہے یا اِن کے اشراق باطن پر چھوڑ دینا چاہیئے؟

ارشاد ہوا کہ کچھ لوگوں نے سوال کیا ہے اور کچھ لوگوں نے نہیں بھی کیا ہے ایسے لوگوں نے یہ دلیل قائم کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں میرا حصہ مقدر ہو گیا ہے تو مجھے مل کر رہے گا وہ اس وقتِ مقررہ کے منتظر رہتے ہیں اور اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

هزار چاره برانگیختم وصال ترا
ولے چہ سود کہ دولت بزور بازو نیست

(میں نے آپ کے وصال کی نعمت پانے کے لئے ہزاروں تگ و دو کی
مگر سب لا حاصل ہوئیں اس لئے کہ یہ وہ دولت ہے جو زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی)

اور بعض وہ ہیں جنہوں نے ذرہ برابر بھی خواہش نہیں کی اس لئے کہ وہ دنیا اور آخرت میں اپنے کو کسی بھی نعمت کے لائق نہیں سمجھتے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم کون ہیں جو نعمت کی تمنا کریں ہم دنیا اور آخرت میں کسی چیز کے لائق ہی نہیں ہیں یہ صفت سب پر غالب ہے اسی نگاہ نے اِن لوگوں کو دونوں جہان کی خواہش اور تمنا سے آزاد کر دیا ہے۔

من چہ شائستہ ام کہ ترا خوانم و دانم
مگرم هم تو بہ بخشی کہ سزاوارے تو باشم

(میں کس لائق ہوں کہ تیرا عرفان حاصل کروں اور تجھ سے مخاطب ہونے کی سعادت پاؤں،
یہ تو تیرا کرم ہے کہ تو مجھے اپنے در کے لائق بنا لے)

خاکسار نے دریافت کیا کہ اس نگاہ سے کیا ہوتا ہے؟

جواب دیا کہ (ساری چیزیں) معدوم ہو جاتی ہیں اور خود کو سارے عالم سے محروم سمجھتا ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ یہ صفت بہت بڑی صفت ہے ایسی صفت کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہیے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے پندار اور خواہشات سے آزاد ہو جائے اپنے حق میں برا گمان رکھنا یعنی خود کو سب سے برا سمجھنا بہت اچھا کام ہے۔

نمی دانم کرا مانم بدیں سیرت گرفتارم

نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

(میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں، میری سیرت تو یہ ہے کہ نہ میں ہندو ہوں نہ مسلمان نہ مرتد ہوں اور نہ بدکار)

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر کسی مجلس میں علمی گفتگو ہو رہی ہو یا کوئی مسئلہ زیرِ بحث ہو اور ہر شخص اس موضوع پر اپنی بات پیش کر رہا ہو اور وہاں پر ایسا شخص بھی ہو جس کو اس مسئلے میں معلومات حاصل ہوں تو اس شخص کے لئے بہتر کیا ہے اپنی معلومات کا اظہار کرے یا خاموش رہے؟

ارشاد ہوا کہ خاموشی بہتر ہے اس لئے کہ بولنے میں اپنی شخصیت کا اظہار ہو گا دوسری بات یہ کہ کسی کو تکلیف بھی پہنچ سکتی ہے اس زمانے میں حق کی طلب کے لئے اور جو باتیں پوشیدہ ہیں اُن کو ظاہر کرنے کے لئے گفتگو میں بحث بہت کم ہوتی ہے زیادہ تر یہ مباحثے اپنی شخصیت کے اظہار اور دوسروں کو رنج پہنچانے کے لئے ہوتے ہیں۔

تکرار و بحث و گوشۂ مسجد خوش است ولیک

در بزم دوست نعرۂ مستانہ خوشتر است

(مسجد کا گوشہ ہو، بحث و تکرار ہو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن دوست کی بزم میں عالم مستی میں جو نعرہ لگایا جائے اس کی خوبیوں کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا)

خاکسار نے التماس کیا اس معنی کے رو سے نفس کو بہت زیادہ مجاہدہ حاصل ہوتا ہے؟

فرمایا کہ سب سے بڑا مجاہدہ یہ ہے کہ جاننے کے باوجود خاموش رہے اس لئے کہ بولنے سے نفسانیت کا اظہار ہوتا ہے کہ میں بھی جانتا ہوں اس لئے اگر خاموشی اختیار کرے تو یہ بہت اچھا ہے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس صفت اور اس کے مفہوم کی اس وقت بہت زیادہ تعریف کی اور یہ بھی فرمایا کہ اس کا اطلاق تمام صفاتِ حمیدہ پر ہوگا۔ جس کا تعلق صفاتِ حمیدہ سے ہے اس کو پوشیدہ رکھے اور اس کا اظہار نہیں کرے یہ عمل نفس کے لئے تلوار ہے، بہت بڑا مجاہدہ ہے اور بہت زیادہ پسندیدہ ہے۔

باگل نظری دارم گر خار نداند بہ

سرِ دلِ یاراں اغیار نداند بہ

(پھول سے جو میری عشق بازی ہے اس کو کانٹا نہ جانے یہی بہتر ہے
اور دوستوں کے دل کے راز کو غیر نہ جانے یہی اچھا ہے)

پھر عرض کیا کہ ایسا نیک کام اور ایسا عمل خیر جو نفس کے لئے دشوار ہو اور بغیر ظاہر کئے حاصل نہیں ہو جیسے "خدمت" تو ایسی صورت میں کیا کرے؟

فرمایا کہ یہ تو ضروری ہے اور عمل ظاہر سے اس کا تعلق بھی ہے لیکن اگر کسی کے سامنے اپنی اس خدمت کو بیان کرے تو یہ اظہار ہوگا لیکن خدمت کرنے میں کوئی چیز لازم نہیں آتی کیونکہ وہ کسب ہے۔

خاکسار نے سوال کیا کہ وہ کون سا مغز معانی ہے جس سے تمام معانی پیدا ہوتے ہیں اور جس کی رعایت ہر حال میں کی جاتی ہے؟

ارشاد ہوا کہ ہر محل اور موقع میں فقر ہی مغز معانی ہے جیسا کہ صاحب شریعت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو سب سے اہم کام سمجھنا چاہئے اس لئے کہ التعظیم لامر اللہ والشفقة علی خلق اللہ کا حکم موجود ہے اللہ تعالیٰ کے جتنے حقوق ہیں سب کے سب التعظیم لامر اللہ کے تحت ہیں اور بندوں کے جو حقوق ہیں وہ الشفقة علی خلق اللہ کے تحت۔ یہ دونوں کلمے تمام مواقع میں شامل ہیں۔ ہر موقع پر ان دونوں میں سے ایک کا پیش آنا ضروری ہے ان دونوں سے کوئی موقع اور محل خالی نہیں، یعنی خدا کا حق سامنے آئے گا یا بندے کا حق۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ ان کو قرآن کی تعلیم دے دیجئے۔ وہ صحابی ان کو قرآن پڑھانے لگے جب سورہ اذا زلزلت الارض میں فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ [الزلزلة ۷،۸] (پس جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا) کی آیت پڑھی تو اس شخص نے کہا میرے لئے بس یہی کافی ہے۔ چند روز کے بعد آپ ﷺ نے ان صحابی سے پوچھا کہ اس شخص کو قرآن پڑھا رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جب اس شخص نے فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ کی آیت پڑھی تو کہا میرے لئے یہی کافی ہے اور اٹھ کر اپنے قبیلہ کی طرف چلے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا فقه الرجل یعنی وہ مرد فقیہ ہو گیا۔

مجلس - ۱۳

حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ شیخ احمد نے عرض کیا زندگی میں آدمی کا جسم جو کام کرتا ہے وہ روح کی فرمائش اور حکم سے کرتا ہے لیکن جب جسم مردہ ہو جاتا ہے تو روح مردہ ہو جاتی ہے یا اپنے حال پر رہتی ہے۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ روح اپنے حال پر رہتی ہے جس طرح تھی ویسے ہی رہتی ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ موت سے پہلے جسم کے ساتھ روح کا تعلق اسی طرح رہتا ہے جیسے صانع (کاریگر) کا تعلق آلہ (اوزار) کے ساتھ ہوتا ہے صانع کا تعلق آلہ کے ساتھ اس سے زیادہ نہیں۔ایسا نہیں ہے کہ اگر آلہ نہیں ہو تو صانع بھی نہیں ہو اسی طرح روح ہے یعنی روح اپنی بقا کے لئے جسم کا محتاج نہیں۔روح تو اس جسم کے ذریعہ صرف کاموں کو کرتی ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں مثلاً زبان کے آلہ سے گفتگو کرتی ہے، پاؤں کے آلہ سے چلتی ہے اور آنکھ کے آلہ سے دیکھتی ہے۔

خاکسار نے عرض کیا جسم روح کے احکام کے ظاہر ہونے کا محل ہوا؟

فرمایا ہاں! عالم ظاہر میں لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ۔اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح عالم ملک وظاہر میں جان کے احکام جسم میں ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام عالم کبریٰ سے روح میں پیدا ہوتے ہیں۔

جسم آدم برقع جاں آمدہ
جانِ آدم برقع جاناں شدہ

(آدم کا جسم جان کے لئے برقع ہے اور آدم کی جان محبوب کے لئے نقاب ہے)

پھر عرض کیا جس طرح جان کے تمام کام قالب میں ظاہر ہوتے ہیں اور قالب جان سے بے خبر ہے وہ نہیں جانتا کہ جان سے کیا ظاہر ہوا ہے اسی طرح روح میں بھی ہوتا ہے یا روح کو احکام حق کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ روح کو اطلاع ہو جاتی ہے اور وہ جانتی ہے کہ مجھ میں حق تعالیٰ کے احکام کا ظہور ہوا ہے اور روح اُس کا مشاہدہ کرتی ہے۔ روح عالم ہے اور عالم اس کی صفت ہے لیکن قالب (جسم) جماد ہے اور جماد کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔

خاکسار نے سوال کیا مومن اور کافر سب کی ارواح کو اس مشاہدے کا علم ہوتا ہے؟

جواب ملا کہ ہاں! اس میں مومن کیا اور کافر کیا۔

پھر عرض کیا جب کافروں کی روح کو بھی اس مشاہدہ کا علم ہوتا ہے تو کفر و انکار کیوں کرتے ہیں اس لئے کہ اقرار اور انکار روح سے صادر ہوتے ہیں سب کو اقرار ہی کرنا چاہئے تھا۔

فرمایا کہ کافروں کی ارواح اس عالم میں آنے سے پہلے پاک وصاف تھیں جب ان کا تعلق عالم قالب کے ساتھ ہوا تو ان کو دو مشغولی پیش آئی ایک عمل خیر کی اور دوسرا عمل شر کی۔ ان لوگوں نے جس قدر عمل شر کیا اسی قدر ان کی صفائی میں کدورت پیدا ہوئی ان کی روح جتنی پاک وصاف تھی ویسی نہیں رہی۔ اس گندگی اور کدورت کی وجہ سے غلطی میں مبتلا ہو گئے اور انکار کر بیٹھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ قیامت کے دن اسی کو آگ میں ڈالا جائے گا جو عمل شر کی وجہ سے مکدر اور گندہ ہے تا کہ اس کی کدورت یعنی گندگی اس سے دور کی جائے۔ کہتے ہیں کہ جس نے آج اس عالم میں اپنے کو مجاہدہ اور ریاضت کی بھٹی میں جھونک دیا وہ کل قیامت

کے دن اُس آگ سے محفوظ رہے گا۔

عجب دارم درون عاشقاں را

کہ پیراہن نہ سوزد از حرارت

(عاشقوں کا باطن بھی عجب چیز ہے [آگ لگی ہوئی ہے مگر] گرمی سے پیراہن نہیں جلتا)

شیخ معزالدین نے درج ذیل شعر کا معنی دریافت کیا۔

بسزد کہ ترا در ہر پلکے

بزمانہ نماند زندہ یکے

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ "پلک" سے کوئی یہ مفہوم لیتا ہے کہ تیری ربوبیت کی تجلیات کے مقابلہ میں یہی سزاوار ہے کہ کوئی زندہ نہیں رہے اور کوئی یہ معنی سمجھتا ہے کہ تیری عجائبات قدرت اور تیرے حکم کے مقابلہ میں کوئی زندہ نہیں رہے اور کوئی یہ مطلب نکالتا ہے کہ تیرے قہر و جلال کے مقابلہ میں کوئی زندہ نہیں رہے۔

کدام مرغ دل زیرک است در عالم

کہ پائے بستہ از جان و دل بکار تو نیست

(عالم میں کتنا ہی کوئی چالاک دل پرندہ کیوں نہ ہو تیرے عشق میں دل و جان سے وہ گرفتار ضرور رہے)

مجلس - ۱۴

حاضری کی سعادت کا شرف حاصل ہوا۔ خاکسار نے عرض کیا اگر کسی نے یہ خواب دیکھا کہ ایک آدمی کا سر تلوار سے جدا کر دیا ہے تو خواب دیکھنے والے کے حق میں اس کی کیا تعبیر ہوگی؟

حضرت مخدوم نے فرمایا جس نے خواب دیکھا ہے اس کا تعلق کس جماعت سے ہے۔ عرض کیا مفردان کی جماعت سے۔ ارشاد ہوا اس خواب کی جو تعبیر بیان کی گئی وہ مفردان کے حق میں نہیں ہے کیونکہ مفردان کا اس سے کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں ہے اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ جو شخص ایسا خواب دیکھتا ہے وہ اپنے نفس کو مار ڈالتا ہے اور نفس سے پاک ہو جاتا ہے لہٰذا یہ تعبیر مفرد کے حق میں مناسب نہیں ہے اللہ بہتر جانتا ہے، مفرد کے حق میں یہ تعبیر ہو سکتی ہے کہ اس کو کسی کی حمایت اور عنایت حاصل ہو اور وہ حمایت اور عنایت اس سے منقطع ہو جائے گی اس لئے کہ اس کا قیام اسی حمایت و عنایت کے ساتھ ہے جس طرح جسم کا قیام سر کے ساتھ ہے اسی وجہ سے اس خواب کی تعبیر حمایت و عنایت کے منقطع ہونے سے کی جائے گی۔

قاضی اشرف الدین نے سوال کیا کہ اگر کوئی جانور خواب میں کسی پر حملہ کرے تو یہ خواب کیسا ہے؟

فرمایا کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ جانور اس پر غالب آیا یا نہیں۔ اگر غالب آگیا تو اس جانور کی جو صفت ہے وہ اس شخص میں آگئی ہے اور اس صفت کا غلبہ اس پر ہوا ہے اور اس صفت نے اس کو مغلوب کر دیا ہے اس لئے کہ آدمی میں تمام حیوانوں کی صفتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی نے خواب میں دیکھا کہ شیر نے اس پر حملہ کیا ہے اور اس پر غالب آگیا ہے اس خواب کی یہ تعبیر ہوگی کہ غصے کی صفت اس پر غالب آگئی ہے اس لئے کہ غصہ اور خفگی کی صفت شیر اور کتے کی ہے اسی طرح لومڑی کو خواب میں دیکھنے کی یہ تعبیر ہے کہ اس کی خاص صفت چاپلوسی اور مکاری پیدا ہوگی۔ اگر تیندوا کو خواب میں دیکھیں تو غرور اور سرکشی پیدا ہوگی کیونکہ یہ صفت تیندوا کی ہے اور اگر سور دیکھیں تو شہوت اور خساست سے تعبیر کریں گے۔

اس کے بعد فرمایا کہ عین القضاۃؒ فرماتے ہیں کہ سالک راہِ سلوک میں لاکھوں صفات دیکھتا ہے اور جس صفت کو دیکھتا ہے سمجھتا ہے کہ یہی میری حقیقت ہے اور میں اپنی حقیقت تک پہنچ گیا لیکن وہ وہ نہیں ہاں انہی سے ہے۔

شیخ معزالدین نے دریافت کیا اگر کسی نے گائے یا اسی طرح کے دوسرے جانوروں کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

ارشاد ہوا کہ گائے اور اس طرح کے دوسرے جانوروں میں کھانے سونے اور غفلت کی عادت اور صفت ہوتی ہے اس لئے اس کی یہی تعبیر ہوگی کہ خواب دیکھنے والے میں کھانے، سونے اور غفلت کی صفت غالب ہوگئی ہے۔

مجلس - ۱۵

دولت دیدار حاصل ہوئی۔ شیخ معزالدین نے عرض کیا اگر کسی نے خواب دیکھا کہ بجلی گری اور آگ لگ گئی اس خواب کی کیا تعبیر ہوگی؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد فرمایا کہ جس شہر میں کسی نے یہ خواب دیکھا ہے اس شہر میں ایک بڑی بلا اور مصیبت کا نزول ہوگا۔

خاکسار نے سوال کیا قرآن کی یہ آیت تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى الحشر ر ۱۴] (تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ اُن کے دل متفرق ہیں) کس گروہ کے متعلق ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول کافروں کے حق میں ہوا ہے۔

جس وقت ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ اور کفار کے درمیان مقابلہ آرائی ہوئی اُس وقت آپ ﷺ کے ساتھ بہت مختصر جماعت تھی اور اسی کے برعکس کافروں کے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی آپ ﷺ متفکر ہوئے اور دل میں یہ خیال آیا کہ کافروں کی فوج بہت بڑی تعداد میں ہے اور ہماری طرف مختصر لوگ ہیں اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ اُن کو جماعت سمجھ رہے ہیں حالانکہ اُن کے دل پراگندہ ہیں یعنی اُن کے دل منتشر ہیں ایک کے دل کو دوسرے کے دل کی طرف التفات نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک عزیز نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک درویش مغربی ملک سے ملتان پہنچے چند روز کے بعد شیخ سے دہلی جانے کی اجازت چاہی تاکہ وہاں کے علماء اور مشائخ کی زیارت کریں شیخ نے اجازت دے دی درویش نے رخت سفر باندھا اور دہلی پہنچے، ایک رات وہاں رہے اور صبح سویرے ملتان کے لئے روانہ ہو گئے جب ملتان پہنچے اور شیخ نے اُن کو دیکھا اس قدر جلد واپس آنے کی وجہ دریافت کی اُس درویش نے کہا تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى۔

مجلس - ۱۶

قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ جلال الدین محجوب نے دریافت کیا قبر میں منکر نکیر کیا سوال کرتے ہیں اور اس کا جواب کیا ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ سوال کرتے ہیں "من ربك" تمہارا پروردگار کون ہے، "من نبیك" تمہارے نبی کون ہیں "ما دینك" اور تمہارا دین کیا ہے؟

جواب یہ ہے "ربی و ربکم الله" میرا اور تمہارا پروردگار خدا ہے، "نبیی محمد علیه السلام" "محمد ﷺ میرے پیغمبر ہیں "ودینی دین الاسلام" اور میرا دین اسلام ہے۔

خواجہ ممن ملتانی اس وقت مجلس شریف میں حاضر تھے کسی نے عرض کیا آج کل خواجہ ممن ملتانی مسلمانوں کے بہت کام آرہے ہیں اور ان کے کاموں کو انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ بہت اچھا کام ہے اور بہت بڑی دولت ہے سینکڑوں نماز اور روزے ایک طرف اور مومن کی حاجت روائی ایک طرف، مسلمانوں کے کاموں کو انجام دینا اور مخلوق کے کاموں کے لئے کوشش بہت بڑی دولت ہے یہ پیغمبروں کی سنت ہے جنہوں نے خدمت خلق کی ہے اور ان کی پریشانی اور مصیبت کو اپنے سر لے لیا ہے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ جب میں حجرہ قدیم میں تھا اُس زمانے میں یہاں ایک حاکم تھا جس کا سلوک لوگوں کے ساتھ بہتر نہیں تھا اکثر لوگ میرے پاس آتے کہ میرا کام کرا دیجئے اور میرے لئے سفارش کر دیجئے۔ میں ہر ایک کے لئے سفارش کرتا اور سفارشی خط لکھ دیتا یہاں تک کہ اس کام کے لئے لوگوں کا ہجوم امنڈ آیا۔ کسی کسی وقت بشریت کی وجہ سے میں تنگ آجاتا۔ شیخ زادہ چشتی سلمہ اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں یہیں تھے جس وقت سفارش کے لئے لوگوں کا ہجوم امنڈ رہا تھا اس وقت اتفاق سے وہ میرے یہاں آئے ہوئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کام میرے لئے مشکل ہو رہا

ہے اور میں تنگ آجاتا ہوں تو کہا آپ تنگ آجاتے ہیں ہر گز تنگ نہ ہوں لوگوں کی اس مصیبت کو برداشت کریں اور یہ قصہ بیان کیا کہ چشت سے چند روز کی مسافت پر ایک جگہ تھی جس کا نام "هزیو" یا کوئی دوسرا نام تھا وہاں ایک آدمی کو کسی آدمی سے کوئی ضرورت پیش آگئی وہ مقصد کسی طرح پورا نہیں ہو رہا تھا اس وقت چشت میں حضرت خواجہ مودود چشتیؒ سجادہ نشین تھے، وہ ضرورت مند شخص حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اپنی روداد بیان کی اور عرض کیا حضرت! میرا یہ کام آپ کے وہاں تشریف لے جانے پر موقوف ہے اگر حضرت تشریف لے چلیں اور اس شخص سے سفارش کر دیں تو میرا کام بن جائے، حضرت اسی وقت تیار ہو گئے اور فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے کہ میرے جانے سے تمہارا کام ہو جائے گا تو بسم اللہ چلئے، مصلی کاندھے پر رکھا اور روانہ ہو گئے آپ کے رفقاء بھی پیچھے پیچھے چلے کہ دیکھیں خواجہ کہاں جارہے ہیں کسی کو اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ سفر کا پروگرام دریافت کرے۔ لوگوں نے سمجھا کہ کہیں زیارت کے لئے تشریف لے جارہے ہیں پورا دن اسی طرح سفر میں گذر گیا لیکن کسی نے نہیں پوچھا، بعد میں معلوم ہوا کہ فلاں آدمی آئے تھے وہی لے جارہے ہیں الغرض حضرت خواجہ مودود چشتیؒ وہاں پہنچے، اس شخص سے ملاقات کی اور سفارش کی لیکن اس نے حضرت کی سفارش نہیں سنی اور اس ضرورت مند کا کام نہیں بنا۔ حضرت نے فرمایا میں نے اپنا کام کر دیا کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے اب تم کیا کہتے ہو اس حاجت مند نے کہا حضرت سلامت رہیں اب واپس چلا جائے۔ سب لوگ لوٹ آئے جب حضرت واپس آئے تو ہر شخص نے اس آدمی سے کہا کہ حضرت نے تم کو کوئی سفارشی خط نہیں لکھا اور نہ کسی آدمی کو بھیجا بلکہ اس کام کے لئے خود تشریف لائے اور تو نے ان کی بات نہیں سنی۔ لوگوں کے کہنے سے وہ شرمندہ ہوا اور اس

نے کہا اگر حضرت خواجہ دوبارہ آجائیں تو میں یہ کام کردوں گا۔وہ حاجت مند پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی کہ میرے مقصد براری کا انحصار آپ کے تشریف لے جانے پر ہے ایک بار پھر کرم فرمائی ہو جائے آپ نے فرمایا اگر میرے جانے سے ہو جائے تو چلئے، مصلیٰ کاندھے پر رکھا اور روانہ ہو گئے وہاں پہنچے اور اس کا کام بن گیا جب چشت واپس آئے مریدوں نے عرض کیا حضرت خط ہی لکھ دیتے یا کسی کو بھیج دیتے تو وہی بات ہوتی جو آپ کے جانے سے ہوئی۔حضرت خواجہ مودود چشتی نے جواب دیا کہ اُس نے خط لکھنے یا آدمی بھیجنے کے لئے نہیں کہا تھا بلکہ یہ کہا تھا میرا کام آپ کے جانے پر موقوف ہے جب اُس کا کام میرے جانے پر منحصر تھا تو مجھے جانا تھا۔

اب اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مسلمان بھائیوں کے کاموں کو انجام دینا بہت بڑی خدمت ہے، مشائخ اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس گروہ صوفیاء کے لوگ بادشاہوں کے دربار میں گئے بھی ہیں اور نہیں بھی گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر بادشاہ بلائے تو جانا چاہئے اگر نہیں جائیں گے تو یہ بدعت ہوگی لیکن بغیر بلائے نہیں جاتے۔ہاں! اگر بادشاہوں کے یہاں ان کے جانے سے کسی مسلمان کی حاجت روائی ہو جائے تو ایسی صورت میں جانا چاہئے۔احیاء العلوم میں یہ روایت آئی ہے کہ پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر نے ایک بادشاہ کا اس وقت رکاب پکڑ لیا تھا جب وہ گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا لوگوں کو یہ حال دیکھ کر سخت تعجب ہوا اور کہا یہ بھی عجیب معاملہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر اور ایک بادشاہ کا رکاب پکڑیں۔انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس بادشاہ کا رکاب اس لئے پکڑا تا کہ اس کو مجھ سے الفت پیدا ہو، جب مجھ سے الفت ومحبت پیدا ہوگی اور کسی کو اس سے کوئی کام پڑ جائے گا تو میری سفارش سے

اس کا کام بن جائے گا۔ بادشاہ کا رکاب پکڑنے میں یہی راز پوشیدہ تھا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی بہت تعریف کی اور حاضرین کو خدمت خلق کی رغبت دلانے کے لئے بار بار فرمایا کیا اچھا ارادہ ہے اور کیا خوب نیت ہے۔

والسّلام

مجلس - ۱۷

نئے چاند کی مبارک بادی اور قدم بوسی کے لئے مغرب کی نماز کے بعد رفقاء حاضر ہوئے۔ قاضی اشرف الدین نے عرض کیا لوگ کہتے ہیں کہ ایک لمحے کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے ایسی صورت میں تفکر کو تمام عبادتوں پر فضیلت ہوگی۔ اور بعض بزرگوں کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ انہوں نے دن یا رات میں دو ہزار اور تین ہزار رکعتیں نماز پڑھیں ہیں یہ کیسے درست ہوا۔ اگر تفکر میں رہتے تو گویا ایسی عبادت میں مشغول رہتے جس کو دوسری عبادتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تفکر کو نفل نمازوں پر جو فضیلت ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے کہا لیکن ہر چیز کے اندر الگ الگ خاصیت ہے اور وہ خاصیت اسی سے متعلق ہے دوسری سے نہیں اور ان لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اندر کمالات پیدا کریں اور حصول کمالات کے لئے اسباب ہوتے ہیں انہیں اسباب کے ذریعہ کمالات کے معانی حاصل ہوتے ہیں نماز میں بھی ایک خاصیت ہوتی ہے جو نماز ہی میں حاصل ہوتی ہے جن

لوگوں نے نماز کی مشغولی اختیار کی ہے وہ اس لئے تاکہ نماز کی خاصیت اور اثر کا ادراک حاصل ہو اس سے مطلع ہو جائیں اور اپنے اندر کمالات کو پیدا کر لیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس سے یہ بحث بھی نکلتی ہے کہ بعض شخص نماز ترک کر دیتے ہیں اور ترکِ نماز کے لئے یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ نماز، روزہ اور دوسری عبادتیں اس وقت تک ہیں جب تک مطلوب اور مقصود حاصل نہ ہو اجب مطلوب ومقصود تک رسائی ہو گئی تو پھر یہ ساری حاجتیں ختم ہو گئیں اس لئے کہ یہ سب وسائل اور ذرائع ہیں۔ ذرائع اور وسائل میں اسی وقت تک مشغول رہنا ہے جب تک منزل اور مقصد تک نہیں پہنچا۔ منزل اور مقصد کے حصول کے بعد ان چیزوں میں مشغول رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

میں اس کا جواب یوں دیتا ہوں کہ اگر نماز کا مقصد صرف وسیلہ اور ذریعہ ہی ہے تو یہ بات ٹھیک سمجھی جاتی لیکن نماز کا معنی اور مقصد کچھ اور بھی ہے جس کو نہ تم جانتے ہو اور نہ میں جانتا ہوں اور اس مقصد تک ہماری رسائی نہیں ہوئی ہے۔

اسی درمیان قاضی اشرف الدین نے پھر عرض کیا اگر وہ تارک نماز یہ کہے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ نماز میں اس کے علاوہ بھی معانی ومقاصد ہیں (تو اس کا کیا جواب ہوگا)۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسا کہنے والے کو لازم ہے کہ وہ توبہ واستغفار کرے تمام علماء اور مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام سب لوگوں سے زیادہ واصل بحق تھے اور منزل ومقصود تک پہنچے ہوئے تھے، ایسی صورت میں اگر نماز کو صرف وسیلہ مانا جائے تو انبیاء نماز نہیں پڑھتے اس لئے کہ وصول حق کے بعد یہ مشغولیت بے کار ہوتی، اور یہ بات سب لوگوں کو معلوم ہے کہ انبیائے کرام نماز کے پابند رہے اور ہمیشہ پڑھتے رہے۔

علمائے کرام اور مشائخ عظام جو سب کے نزدیک مقبول ہیں ترک نماز کے قائل نہیں ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات نے جو نماز پڑھی ہے اور ترک نہیں کی اس کی وجہ یہی ہے کہ نماز کے اسرار و معانی کا ان کو انکشاف تھا۔

عیب کنندم کہ چہ دیدی درو

کور نہ داند کہ چہ بیند بصیر

(لوگ مجھے برا بھلا کہتے ہیں کہ آخر تم نے اس میں کیا دیکھ لیا جو اپنا یہ حال بنالیا

اندھے کو کیا معلوم کہ آنکھ والے کیا دیکھتے ہیں)

پھر سوال ہوا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان اکابرین نے امت کی تعلیم کے لئے نماز پڑھی ہو۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں فرمایا اس کے لئے چند بار پڑھ لینا کافی ہوتا اور پھر یہ کہ امت کی تعلیم کے لئے تعلیم دینے کی کیا ضرورت تھی اور عمل کر کے دکھانے کی کیا حاجت تھی صرف حکم دینا کافی تھا۔

عرض کیا اگر یہ کہا جائے کہ یہ امت کی تعلیم کے لئے نہیں تھا بلکہ صرف ان ہی کے لئے مخصوص تھا اس لئے اس کو اختیار فرمایا۔

جواب ملا اگر صرف ان ہی کے لئے مخصوص ہوتا تو اس کو بیان کر دیتے جس طرح اور دوسری چیزوں کو بیان کر دیا ہے جو ان کے لئے مخصوص تھیں۔

اس کے بعد فرمایا نماز تسبیح تہلیل، رکوع، سجود، ثنا، دعاء، قرأت قرآن اور قعدہ سب کا مجموعہ ہے۔ ان میں ہر ایک میں بلکہ ہر حرکت و سکون میں ایک راز، ایک خاصیت اور ایک اثر پوشیدہ ہے جس کا حصول ان کو کشف سے ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ کمالات تک پہنچتے ہیں۔

جہاں تک فضیلت کا تعلق ہے تفکر دوسری عباتوں سے ضرور افضل ہے لیکن جو نماز میں ہے وہ

تفکر میں نہیں، مثلاً یہ حدیث آئی ہے کہ جس نے تین بار سورۂ اخلاص پڑھ لیا اس کو ختم قرآن کا ثواب ملے گا۔ یہاں پر کیا کہیں گے کہ دوسری سورتوں کی تلاوت نہیں کی جائے ختم قرآن کے ثواب کی رو سے سورۂ اخلاص کی قرأت ایسی ہے لیکن اس اعتبار سے کہ قرآن میں سارے اسرار، وعدے، وعید یں، قصے، مثالیں اور علم اولین و آخرین سب موجود ہیں تو کیا اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی تلاوت نہیں کی جائے اگر تلاوت قرآن کا مقصد صرف حصول ثواب ہی ہوتا تو تین بار سورۂ اخلاص ہی پڑھ لینا کافی ہوتا اور کچھ نہیں پڑھتے چونکہ قرآن میں ہزاروں اسرار و معانی، وعدے اور وعید یں، اعتبار اور علم اولین و آخرین موجود ہیں جو صرف قرآن کی تلاوت ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ جواب ان تارکین نماز کے قول کے رد میں ہے جو نماز کو واسطہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں واللہ الھادی الی الرشاد

اس کے بعد سوال ہوا کہ جب مطلوب کمالات ہے اور اسی کے حصول کے لئے نماز کو اختیار کیا گیا ہے تو یہ مقصد فرض سے حاصل ہو جاتا۔ نوافل کی کیا ضرورت تھی؟

اس سوال کے جواب میں حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نماز کے اعتبار سے نفل اور فرض ایک ہی ہے جو کمالات فرض نماز سے حاصل ہوتے ہیں وہی نوافل سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کمالات کے حاصل کرنے میں حریص ہیں۔

مجلس - ۱۸

مغرب کی نماز کے بعد دستر خوان خاص پر شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ مجلس

شریف میں حیوانوں کے اشتراک کی گفتگو ہونے لگی۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علم ریاضی میں آیا ہے کہ تمام حیوان اور انسان کے درمیان بولنے میں اشتراک ہے اس لئے کہ ہر جانور کی ایک آواز ہوتی ہے اور وہی آواز اس کی بولی ہے اور وہ اپنے ہم جنسوں میں ایک دوسرے کی آواز کو سمجھتے ہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ اس کو ہم لوگ نہیں سمجھتے۔

اس وقت شیخ معز الدین نے عرض کیا جیسے مرغ کی آواز۔ اگر کوئی مرغ بانگ دیتا ہے تو سارے مرغ اس آواز کو سمجھ لیتے ہیں اور آ کر جمع ہو جاتے ہیں۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں! مرغ کی آواز بھی اس کی ایک مثال ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا بولی میں سارے جانور انسان کے شریک ہیں مگر لکھنے میں شریک نہیں۔ اس لئے کہ یہ انسان ہی کے لئے مخصوص ہے۔

شیخ معز الدین نے عرض کیا گفتگو کی جو حد ہے یعنی اس کی جو تعریف کی گئی ہے اس کا اطلاق جانوروں پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ انسان کو حیوان ناطق کہا گیا ہے اور نطق انسان ہی کا خاصہ ہے۔

ارشاد ہوا کہ ہاں! گفتگو کی جو حد ہے وہ جانوروں پر صادق نہیں آتی، عقل میں ثقل سماعت پیدا ہوتی ہے اور جب میں نے تفسیر کا مطالعہ کیا تو اس آیت وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ط [یوسف/ ۲۲] (اور جب وہ پہنچے اپنے پوری بلوغیت کو تو ہم نے عطا فرمائی انہیں نبوت و علم) میں ''اَشُدَّ'' کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے اشد الغلام هو البلوغ قيل اشد الرجل هو اربعون سنة جو شخص بالغ ہوا اور وہ فطرتی عقل اور تجرباتی عقل تک پہنچا اور ان دونوں عقل کے بغیر ان لوگوں کو ادراک

حاصل نہیں ہوسکتا۔ مشاہدہ میں اس کی مثال موجود ہے مثلاً کسی چیز کو دیکھ کر اس کے ادراک کے لئے آفتاب درخشاں اور چشم بینا کا ہونا ضروری ہے جب تک یہ دونوں چیزیں نہ ہوں گی بینائی کسی چیز کے ادراک کو پورے طور پر حاصل نہیں کرسکتی اگر آفتاب درخشاں ہے اور چشم بینا نہیں ہے تو ادراک حاصل نہیں ہوسکتا جس طرح دیدار کے لئے ان دونوں کا ہونا ضروری ہے اسی طرح کمال ادراک کے لئے آدمی میں فطرتی عقل اور تجرباتی عقل کا ہونا لازمی ہے۔

مجلس - ۱۹

زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ معزالدین نے سوال کیا کہا جاتا ہے کہ جمعہ کی رات میں بہشت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا احادیث اور اخبار سے یہ ثابت ہے اور ہو بھی سکتا ہے کہ ایسا ہو، اس میں تعجب کی کیا بات ہے اس لئے کہ جمعہ ایک بابرکت دن ہے۔

پھر سوال ہوا کہ جب بہشت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں تو اس سے کیا اثر ظاہر ہوتا ہے؟

جواب ملا کہ جب بہشت کے دروازے کھلے رہتے ہیں تو خدا کی رحمت بندوں پر نازل ہوتی ہے اس لئے اللہ کے بندے عبادت اور نیک کاموں میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں تفسیر میں آیا ہے کہ فرشتے آسمان پر جمعہ کے دن کو "یوم المزید" کہتے ہیں اس کے بعد ارشاد ہوا کہ

اس لفظ "مزید" نے مجھ کو شبہ اور فکر میں ڈال دیا تھا اس وقت عقیدہ کی کتاب "عصمت الانبیاء" میں دیکھا اس میں بھی یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر وقت، ہر لمحہ اور ہر لحظہ ترقی اور زیادتی حاصل تھی اس کے باوجود ان سے زلت وجود میں آئی ایسی صورت میں ترقی اور زیادتی کیسے ہوسکتی ہے اور دوسرا سوال یہ تھا کہ ہمارے پیغمبر یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات زیادتی اور ترقی اس حد کمال تک حاصل تھی جو دوسری راتوں میں نہیں ہوئی ایسی حالت میں کسی دوسری رات کو وہ ترقی اور زیادتی کیسے ہوسکتی ہے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی دیا گیا ہے سب سے پہلے معراج کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ معراج کی رات جو کمالات آپ کو حاصل ہوئے وہ دوسری راتوں میں بھی آپ کو حاصل تھے اور وہ ختم یا زائل نہیں ہوئے۔ جو بندگی اور عبادت آپ نے دوسری راتوں میں کیں وہ اس پر مزید (اضافہ) اور بلند تر ہوئیں جو معراج کی رات میں تھیں تو یہ ترقی اور مزید افزونی ہوئی، اور زلت کے بارے میں یہ جواب دیا گیا کہ گرچہ زلت میں مزید اور ترقی نہیں ہے لیکن اس کے بعد جو توبہ کی، حسرت وندامت اور گریہ وزاری کی کیفیت پیدا ہوئی یہی ترقی اور زیادتی ہوئی۔

اس کے بعد زلّت کی تعریف دریافت کی گئی۔ ارشاد ہوا زلت لغزش اور اس صغیرہ کو کہتے ہیں جو قصد اور ارادہ کے بغیر ہو اسی کو انبیاء کے حق میں زلت کہتے ہیں معصیت نہیں کہتے۔ زلت کی یہ تعریف بھی ہے کہ اس کے ارتکاب سے پہلے کوئی ارادہ نہ ہو اور ارتکاب کے بعد اس پر اصرار اور قیام نہ ہو، مثلاً بارش ہوئی راستے میں کیچڑ ہوگئی کوئی جا رہا ہے اس کا پاؤں پھسل گیا اور گر پڑا، لڑکھڑانے اور گرنے سے پہلے لغزش اور گرنے کا ارادہ نہیں تھا جیسے ہی گرا فوراً اٹھ کھڑا ہوا گویا گرا ہی نہیں تھا۔ زلت بھی بعینہ ایسی ہی ہے جو انبیائے کرام کو پیش آئی ہے یعنی یہ صغیرہ قصداً نہیں ہوتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ سورۂ یوسف کے متعلق جگہ جگہ اس طرح کے جو شبہات آئے ہیں عقیدہ کی اس کتاب میں وہ سب لکھ دیئے گئے ہیں اور ان کے جوابات بھی بہت اچھے طریقے پر دیئے گئے ہیں۔

پہلا شبہ اس آیت کے بارے میں ہے اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ج [یوسف ر ۹۳] (لے جاؤ میرا یہ پیراہن پس ڈال دو اسے میرے باپ کے چہرے پر وہ بینا ہو جائیں گے) یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے فَاَلْقُوْهُ کہا یعنی میرا کرتا میرے والد کے چہرے پر ڈال دو یہ نہیں کہا کہ میرے والد تک پہنچا دو اس میں کیا حکمت تھی؟

اس کا جواب بہت اچھا اور بہتر دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ جان لیا کہ جب کرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملے گا تو حد سے زیادہ خوش ہوں گے، فرط خوشی میں کھو جائیں گے اور آنکھ سے مس نہیں کریں گے اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اس کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو، اس لئے کہ جب یہ کرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ سے مس ہوگا تو بینائی لوٹ آئے گی۔

روز وصلم قرار دیدن نیست ❋ شب ہجرانم آرمیدن نیست
در آن ساعت کہ او در یادم آید ❋ فراموشم شود موجود و معدوم

(مجھے وصال کا دن میسر ہوتا نظر نہیں آتا اور ہجر کی رات میں آرام نصیب کہاں
جس وقت اس کی یاد آتی ہے اس وقت جو موجود ہے وہ بھی اور جو عدم میں ہے وہ بھی سب کو بھول جاتا ہوں)

یہاں پر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ کرتا بھیجنے

سے بینائی لوٹ آئے گی؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ بینائی کرتا ہی کی وجہ سے زائل ہوئی ہے۔ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے خون آلود کرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچایا تو اسی کرتا کے دیکھنے سے بینائی جاتی رہی، اسی لئے کرتا بھیجا تاکہ بصارت لوٹ آئے۔

پھر یہ سوال کیا گیا ہے کہ کرتا بھیجنے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کیا حکمت تھی کوئی دوسری چیز کیوں نہیں بھیجی؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مصیبت اور پریشانی کرتا ہی سے پہنچی اس لئے کرتا بھیجا تاکہ راحت وآرام مل جائے۔

اے پیک نامہ برکہ خبرمی بری بدوست
بالیت اگر بجائے تومن بودمے رسول

پھر اس آیت اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ [یوسف/ ۹۴] (میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں) یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جسم مبارک سے کرتا اتارا اور یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی خوشبو ملی اس سے متعلق یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ کنعاں سے مصر کی دوری ۸۰ فرسنگ[1] تھی یہ بات قابل اعتماد اور لائق یقین نہیں کہ کسی کے جسم کی مہک اسی فرسنگ تک پہنچ جائے یہ عقل سے بعید ہے اور عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام اپنے حسن وجمال میں مخصوص تھے اور ان کے جیسا حسین اس زمانے میں مغرب سے مشرق تک کوئی نہیں تھا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اپنے جسم کی مہک میں بھی مخصوص ہوں جو نزدیک اور دور ہر جگہ پہنچ جائے اسی خصوصیت کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچ گئی۔

ہمہ شب در ہوست گرد چمن می گردم
بویت از یاسمن و سنبل تر می طلبم

(ساری رات تیری تمنا میں چمن کے چاروں طرف گھومتا رہتا ہوں اور سنبل و یاسمن میں تیری خوشبو تلاش کرتا ہوں)

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا اگر ایسی بات تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو وہ خوشبو ملی تو دوسروں نے کیوں محسوس نہیں کی دوسروں تک بھی پہنچنی چاہئے تھی۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ سوال بھی (اس کتاب میں) کیا گیا ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دوسرے لوگ ان سے غافل تھے اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو دوسروں نے محسوس نہیں کی لیکن یعقوب علیہ السلام طالب تھے انہی کے عشق میں مشغول تھے، غافل نہیں تھے اسی لئے انہوں نے ان کی خوشبو محسوس کرلی دوسرے لوگوں تک بھی پہنچی مگر اپنی غفلت کی وجہ سے محسوس نہیں کر سکے۔

ابنائے روزگار بہ صحرا روند و باغ
صحرا و باغ زندہ دلاں کوئے دل بر است

(دنیا والے جنگل اور باغ کی طرف جاتے ہیں اور زندہ دلوں یعنی عاشقوں کے لئے محبوب کی گلی ہی صحرا و باغ ہے)

اتنی دوری سے خوشبو پہنچ جانے پر جو اعتراض ہے اس کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ خوشبو ہو یا بدبو ہوا اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتی ہے اس کے لئے نزدیک اور دوری کی کوئی قید نہیں ہو سکتا ہے کہ ہوا کے ذریعہ پہنچ گئی ہو۔

میانِ من و تو چہ جائے میان است
میانِ من و تو میاں در نہ گنجد

(ہمارے اور تمہارے درمیان دوری SPACE کہاں
اس لئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان دوری کی گنجائش ہی نہیں)

(اس کتاب میں) یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چہرے سے پردہ ہٹایا اور بھائیوں نے پہچان لیا کہ یہ یوسف ہیں تو اپنے بھائیوں کی واپسی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ [یوسف/۹۳] (اور لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو) یعنی والد اور اپنے گھر والوں کو میرے پاس لے آئیں۔ اس واقعہ سے متعلق یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بیٹا تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام باپ تھے۔ بیٹے کو باپ کے پاس جانا چاہیے تھا نہ کہ باپ بیٹے کے پاس آئے۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام محبوب تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام محب۔ محب طالب ہوتا ہے اور محبوب مطلوب۔ ایسی صورت میں طالب مطلوب کے پاس جائے گا نہ کہ مطلوب طالب کے پاس۔

اس جواب کو سن کر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا سوال شرعی مسئلہ سے متعلق ہے اور جواب میں ذوق وشوق یعنی عشق ومحبت کی باتیں کی گئی ہیں، جواب شرع کے مطابق دینا چاہیے تھا۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شریعت کے مطابق بھی اس کا جواب دیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ تھے حکومت کا انتظام ان کے ذمے تھا اگر وہ خود جاتے تو ہوسکتا تھا کہ ملکی نظم ونسق میں خلل واقع ہو جاتا اور یہ بھی ہوتا کہ آپ خدم وحشم اور شاہی آداب کے ساتھ جاتے ممکن تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے اتنی بڑی جماعت کی خاطر مدارات اور فوج وشاہی عملوں کی ضیافت نہ ہوتی یہ ان کے نقصان کا سبب ہوتا اور اس سے ان کی توہین

ہوتی۔ یہ دونوں جواب شرع کے اعتبار سے دئے گئے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت کے متعلق بھی یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ آپ پیغمبر تھے اور یوسف علیہ السلام بھی اللہ کے پیغمبر تھے پھر پیغمبر کو آدمی اور مخلوق سے اس طرح کی محبت کیوں ہوئی اور یہ بھی معلوم ہے کہ غیر کی محبت اللہ کی محبت میں شرک ہے لہٰذا یہ جائز نہیں اور وہ بھی پیغمبروں کے لئے۔

جز جمال تو وبال است نظر ہا بر چشم

جز کلام تو حرام است سخنہا در گوش

(آپ کے حسن و جمال کے علاوہ جو کچھ ہے وہ آنکھ کے لئے وبال ہے

اور آپ کے کلام کے علاوہ جو کچھ ہے وہ کان کے لئے حرام ہے)

اس شبہ کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انبیاء نے جس چیز کو دیکھا تفکر اور اعتبار کی نظر سے دیکھا کسی چیز پر ان کی نظر بغیر تفکر اور اعتبار کے نہیں گئی۔ یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے لڑکوں میں غور و فکر کی سب میں کچھ نہ کچھ سر اور لطیفہ ضرور پایا اور یوسف علیہ السلام میں رحمت و نعمت کی ایسی صفت پائی اور ایسا لطف و جمال دیکھا جو دوسرے صاحبزادوں میں نہ تھا یعقوب علیہ السلام کو ان سے جو محبت تھی وہ دراصل انہی اوصاف سے تھی نہ یہ کہ یوسف علیہ السلام سے تھی۔

رفیقاں چشم ظاہر بیں بدوزند

کہ ما را در میاں سرے است مکنوں

(رفقاء اپنی ظاہر بیں آنکھیں سی لیتے ہیں اس لئے کہ ہمارے اور اس کے درمیان

ایسا پوشیدہ راز ہے جس کو دیکھنے کی تاب ہر آنکھ کو نہیں)

جب یوسف علیہ السلام کو دیکھتے وہ لطائف آپ کی نظروں کے سامنے آجاتے اسی لئے یَاَسَفٰی عَلٰی یُوسُفَ [یوسف / ۸۴] (ہائے افسوس یوسف کی جدائی پر) کی تاویل یا اسفی علی مافی یوسف کی گئی ہے۔

چشم کوتہ نظر آں بر ورق روئے نگاریں
خط ہمہ بیند و عارف قلم صنع خدا را
(کوتاہ نظر آنکھیں اوراقِ حسن و جمال کی تحریر تک رہ جاتی ہیں
لیکن جو عارف ہیں ان کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی صنعت کے قلم پر ہوتی ہے)

مجلس - ۲۰

حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ مجلس شریف میں قبر کے آرام اور تکلیف کا تذکرہ ہونے لگا۔ مولانا کریم الدین نے عرض کیا قبر کا عذاب کس دلیل سے ثابت ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خبر واحد سے ثابت ہے اس کے بعد ارشاد ہوا وہ چیزیں جو اعتقاد سے تعلق رکھتی ہیں، قیاس اور خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتیں اور کسی چیز پر اعتقاد کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے جس میں کوئی شبہ اور شک نہ ہو قیاس اور خبر واحد ظنی ہے لیکن جب خبر واحد تواتر تک پہنچ گئی تو اس سے اعتقادی مسائل ثابت ہو جاتے ہیں اور اس کے متعلق خبر واحد بہت زیادہ آئی ہیں جو تواتر کی حد کو پہنچ گئی ہیں اور عذاب قبر کے بارے میں تو نص قرآنی بھی موجود ہے اگر اس کا تعلق خبر (حدیث) سے نہ ہوتا تو نص سے ثابت کرتے وہی کافی ہوتا۔

خاکسار نے سوال کیا وہ کون سی آیت ہے؟ فرمایا یہ آیت فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں ہے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا [نوح/۲۵] (انہیں غرق کر دیا گیا پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا) اس آیت میں فا تعقیب (بعد میں لانا) کے لئے ہے ادخال نار جھنم یعنی دوزخ کی آگ میں دخول غرق ہونے کے بعد ہی ہوگا اور دوزخ کی آگ میں دخول قبر ہی میں ہوگا اس لئے کہ دوزخ میں دخول تو قیامت کے بعد ہوگا۔

اس کے بعد خاکسار نے سوال کیا کہ دوسرے کافروں کے لئے عذاب قبر ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جواب ملا کہ دوسرے کافروں کے حق میں ان کے کفر کی وجہ سے نص قرآنی کی دلیل موجود ہے۔

پھر خاکسار نے سوال کیا گنہگار مومن کے لئے عذاب قبر ہو اس کی دلیل کہاں سے ثابت ہے اس لئے کہ کفر مومن گنہگار کے حق میں نہیں ہے۔

فرمایا ان لوگوں کے لئے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کے سبب ہوگا اور لفظ کا اعتبار عام کے لئے ہے نہ کہ خاص معنی کے لئے۔ لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ عذاب قبر کفار کے لئے واجب ہے اور گنہگاروں کے لئے جائز۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوتِ ایمان پر گفتگو ہونے لگی، مولانا کریم الدین نے سوال کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی دعوت کے لئے تنہا جانے کا حکم ملا تھا یا کسی کو ساتھ لے جانے کا حکم بھی دیا گیا تھا؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جائیے اور (ایمان لانے کی) دعوت دیجئے، موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں تنہا ہوں

اور فرعون بے عون کے منہ میں خاک اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا ہے میں نے اس شہر میں قبطی کو قتل کر دیا ہے اور اس (فرعون) کو مجھ سے عداوت ہے اس کے باوجود حکم ہو رہا ہے کہ جا کر اس کو ایمان کی دعوت دیجئے ان تمام باتوں کو سوچ کر آپ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ بارگاہ خداوندی میں درخواست کی کہ میرے بھائی ہارون کو میرا شریک بنا دیجئے جیسا کہ قرآن میں ہے وَأَشْرِكْهُ فِيْٓ أَمْرِيْ [طٰہٰ، ۳۲] (اور شریک کر دے اسے میرے مہم میں) ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کر دیے گئے دونوں روانہ ہوئے فرمان آیا لَا تَخَافَآ إِنَّنِيْ مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرٰى [طٰہٰ، ۴۶] خوفزدہ نہ ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون سے خوفزدہ ہوئے یہ خوف غیر خدا سے ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ خوف فرعون سے نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری قضا اور اس کا حکم اس راندہ درگاہ کے ہاتھوں ہو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ خوف اللہ تعالیٰ سے تھا فرعون سے نہیں تھا اور جہاں بھی غیر حق سے خوفزدہ ہونے کی بات کہی گئی ہے وہاں یہی جواب دیا گیا ہے۔

شیخ معزالدین نے عرض کیا خوف کی حالت میں ڈرنے والے کو راضی کہیں گے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں! یہی کہیں گے اس لئے کہ خوف اللہ سے ہے اور وہ رضا کے خلاف نہیں ہے۔ چونکہ بندہ ایک ہی وقت میں ہر ایک کام پر مامور ہے اس لئے ایک کا وجود دوسرے کے منافی نہیں ہوگا۔ فرعون (اس کے منہ میں خاک) ایسا شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا، مصر اور اس کی مملکت پر اس کی حکومت تھی اور دل

میں موسیٰ علیہ السلام سے عداوت تھی اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى [طٰہٰ/۲۴] (جائیے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے) فرعون کے پاس جائیے جس نے نافرمانی کی ہے اور تلقین کی گئی کہ ایمان کی دعوت دینے کے وقت نرمی سے گفتگو کیجئے گفتگو میں سختی سے احتراز کیجئے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا [طٰہٰ/۴۴] یہ اس بات کی تعلیم تھی کہ کسی بادشاہ سے سختی سے گفتگو نہ کریں بلکہ نرمی سے بات کی جائے۔

مولانا کریم الدین نے سوال کیا جب آپ نے فرعون کو دعوت دی تو اس نے ان کی دعوت کو قبول کیا یا نہیں اور کیا ان کے ساتھ زور زبردستی سے پیش آیا۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نہیں ایسی بات نہیں ہوئی بلکہ موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس گئے اور رسالت کا پیغام پہنچایا اس نے کہا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا ثبوت اور دلیل پیش کیجئے۔ حضرت نے دلیل پیش کی اور اس دلیل کی طرف متوجہ کیا جب اس نے دلیل دیکھی بات بنانے لگا، بڑائی جتانے لگا اور کہا آپ کے جیسا کوئی جادوگر نہیں آپ نے جو کچھ پیش کیا ہے بے وقوف اور برے لوگ اسی طرح کی چیزیں پیش کرتے ہیں۔

مولانا کریم الدین نے سوال کیا عصا کے معجزہ کے علاوہ بھی کوئی دوسرا معجزہ ہوا یا نہیں؟

ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ مینڈکوں کی بارش ہونے لگی اور یہ بارش کئی روز تک ہوتی رہی۔ سب لوگ جمع ہوئے اور کفار نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! اپنے خدا سے دعاء کیجئے تا کہ یہ بلا اور مصیبت ہم سے دور ہو جائے اگر یہ مصیبت دور ہو گئی تو ہم لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت کی دعا سے یہ مصیبت ٹل گئی اور کفار اپنے وعدے سے مکر گئے۔ ایک بار دریا میں پانی کی جگہ خون

بہنے لگا سب لوگ جمع ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا اس عذاب کے اٹھ جانے کے لئے اپنے خدا سے دعا کیجئے تا کہ ہم لوگ آپ پر ایمان لے آئیں۔ حضرت کی دعا سے یہ عذاب بھی اٹھ گیا اور وہ لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے پھر کہا آپ جادو گر ہیں اور یہ بات اس لئے کہی گئی کہ اس نے اپنے ملک کے جادوگروں کو جمع کر رکھا تھا۔

اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى [طٰہٰ/۱۷] (اور یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ) کی آیت سے متعلق بھی سوالات اٹھائے گئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام وادیٔ مقدس طویٰ میں پہنچے تو ان پر ایک ہیبت طاری ہو گئی اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے یوں مخاطب ہوا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى اے موسیٰ! آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ یہاں پر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے اور وہ یہ اچھی طرح جان رہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں کیا ہے اور پھر اس طرح کے سوال کا کیا فائدہ؟

اس شبہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ ان کے دل سے ہیبت دور کی جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے مشرف کرنا چاہا تو پہلے ان سے ہیبت کو دور کی تا کہ اپنی ہم کلامی سے مشرف فرمائے اس لئے پوچھا اے موسیٰ! تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟

پھر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ داہنے ہاتھ کی قید کیوں لگائی گئی اس میں کیا مصلحت ہے کیوں نہیں پوچھا گیا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی تھی، اگر ان سے

پوچھا جاتا مَا تِلْكَ بِيَدِكَ (تمہارے ہاتھ میں کیا ہے) تو موسیٰ علیہ السلام کو جواب دینے میں الجھن پیدا ہوجاتی کہ یہ سوال انگوٹھی کے بارے میں ہے یا عصا کے متعلق۔ اسی لئے مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے پوچھا گیا اور اس شبہ کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ داہنے کو بائیں پر فضیلت ہے اسی لئے یہ تخصیص رکھی گئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سوال کا یوں جواب دیا هِيَ عَصَايَ ج أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ (یہ میری لاٹھی ہے، اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے بکریوں کے لئے اور اس سے میں اور بھی کام لیتا ہوں)۔

اس آیت سے متعلق بھی سوالات اٹھائے گئے ہیں اور جواب دیا گیا ہے:---

موسیٰ علیہ السلام نے کہا "میرا عصا ہے" اس کا کیا فائدہ اگر صرف یہ کہتے کہ عصا ہے تو جواب ہوجاتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا کی اضافت اپنی طرف کی تو اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی اضافت اپنی طرف کرنی جائز ہے جیسے لوگ کہتے ہیں ھذا فرشی (یہ میرا فرش ہے)، ھذا مالی (یہ میرا مال ہے)۔

پھر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا هِيَ عَصَايَ (یہ میرا عصا ہے) کہہ دینا کافی ہوجاتا جواب میں مزید أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي (اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر) کا اضافہ کرنے سے کیا فائدہ؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام گفتگو سے مشرف ہوئے تو انبساط و مسرت کی کیفیت پیدا ہوئی اور اسی پر مسرت کیفیت میں تفصیلی جواب دیا۔ وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ (اور اس میں میرے لئے اور کام ہیں) کے جملہ سے متعلق یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ اس کو مبہم کیوں رکھا

اس کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہئے تھا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اس امید میں وَلِیَ فِیۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی کہا تا کہ ان سے دوبارہ کچھ پوچھا جائے اور وہ پھر کلام سے مشرف کئے جائیں۔

با تو در آمیختنم آرزوست
وز ہمہ کس وحشت و بیگانگی ست

(میں تمام لوگوں سے کٹ کر اور بیگانہ ہو کر تجھ سے مل جانے کی آرزو رکھتا ہوں)

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب تک مقام انبساط میں تھے تفصیل سے جواب دیتے رہے اور جب مقام انبساط سے مقام ہیبت میں پہنچے تو وَلِیَ فِیۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی کہا۔

چو نام تو گویم زباں در نہ گنجد
چو جام تو نوشم دہاں در نہ گنجد

(جب آپ کا نام لیتا ہوں تو زبان اپنی صلاحیت کھو دیتی ہے اور جب آپ کا جام نوش کرتا ہوں تو منہ ساتھ نہیں دیتا)

شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سوال ہر ایک میں پوشیدہ رکھا ہو؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام زاہدؒ نے اپنی تفسیر میں ایک تاویل یہ بھی کی ہے کہ ہر ایک میں سوال پوشیدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا اَلۡقِهَا یٰمُوۡسٰی ۝ فَاَلۡقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسۡعٰی ۝ [طٰہٰ ،۲۰-۱۹] یعنی عصا کو ڈال دیجئے جب انہوں نے عصا کو ڈالا وہ ایسا بھیانک سانپ بن گیا جو ساری دنیا کو نگل جائے۔ موسیٰ علیہ السلام اس سے خوفزدہ ہو گئے وَلی

مدبرًا الٹے پاؤں بھاگے حکم ہوا خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الۡأُولَىٰ [طٰہٰ ۲۱/] (پکڑلو اس کو اور مت ڈرو ہم ابھی پھیر دیں گے اس کو پہلی حالت پر) اس کے متعلق بھی یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا سانپ سے ڈرنا کیسے درست ہوسکتا ہے اس لئے یہ غیر اللہ سے ڈرنا ہوا اور غیر سے خوف جب اولیاء کے لئے جائز نہیں تو انبیاء کے لئے کیسے درست ہوسکتا ہے اس شبہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ انبیاء غیر اللہ کے خوف اور اس طرح کے دوسری چیزوں سے پاک ہیں لیکن جو چیزیں انسان کی طبیعت میں پیدا کی گئی ہیں ان سے معصوم نہیں ہیں اس لئے یہ طبعی یعنی فطری خوف ہے اور یہ بشری خصلت کے لئے لازمی ہے یہ عیب نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی چند طرح پر خبر دی ہے کہیں فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسۡعَىٰ کہا ہے کہیں فَإِذَا هِيَ ثُعۡبَانٌ کہا ہے اور کہیں فَإِذَا هِيَ جان کہہ کر خبر دی ہے۔ ایک ہی چیز کے لئے مختلف خبریں دی گئی ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے اس سے تعارض یعنی اختلاف پیدا ہوتا ہے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ تینوں مرتبہ الگ الگ صورت بدلتی رہی ایک مرتبہ سانپ بن گیا دوسری مرتبہ ثعبان (اژدہا) ہوگیا اور تیسری مرتبہ جان (سفید سانپ) کی شکل میں دکھائی دیا۔

زاں چشم پرُخمار عجب نیست فتنہ ہا
ہر جا کہ ترک مست شود فتنہ ہا شود
(اس خمار بھری آنکھ سے فتنے کھڑے ہوں تو یہ تعجب نہیں
اس لئے کہ جہاں بھی مست تُرک ہوتے ہیں وہاں پر فتنے ضرور کھڑے ہوتے ہیں)

پھر فرمایا کہ طوئ کی وادئ مقدس میں اللہ تعالیٰ نے عصا کو سانپ بنا کر موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا اس میں کیا حکمت تھی؟ اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے دکھایا تاکہ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے جادوگروں کی جماعت میں عصا کو سانپ کی شکل میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو جس چیز کو کبھی نہیں دیکھا اس کو دیکھ کر ڈر جائیں گے اسی لئے پہلے ہی عصا کو سانپ بنا کر دکھا دیا گیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام دیکھ لیں اور خوف دہر اس ان سے جاتا رہے اور دوبارہ سانپ بنتے دیکھ کر خوفزدہ نہ ہوں۔

اس کے بعد فرمایا فرعون نے جادوگروں کو جمع کیا اس کی حکومت میں جتنے جادوگر تھے سب کو بلایا وہ سب اتنے سارے سانپ لائے تھے کہ ستر اونٹ کا بوجھ ہوتے۔ فرعون کے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا پہلے آپ ڈالیں گے یا ہم ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ہی لوگ ڈالو جو ڈالنا چاہتے ہو آخر ان جادوگروں نے وہ سب سانپ ڈال دیئے جو تقریباً ستر اونٹ کا بوجھ تھا۔ اس وقت بھی موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ یہاں پر بھی غیر اللہ سے ڈرنے کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کا جواب وہی ہے کہ یہ طبعی خوف تھا اور یہ نقصان دہ نہیں ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ جیسے ہی آپ نے اپنے ہاتھ سے عصا ڈالا ویسے ہی وہ ایک ہیبت ناک اور عظیم سانپ بن گیا جو ایک ہی لقمے میں فرعون کے جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا۔ جب فرعون کے جادوگروں نے یہ دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے اس بات کا یقین ان لوگوں کو اس لئے ہوا کہ وہ جانتے تھے کہ جادو اور سحر خیالی چیزیں ہیں حقیقتاً نہیں (یعنی یہ صرف نظر بندی ہے) اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا جیسا تھا ویسا ہی ہے اس لئے یہ سحر اور جادو نہیں ہو سکتا جب اپنا باطل ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا حق ہونا ان لوگوں پر ظاہر ہو گیا تو وہ سب کہنے لگے

اٰمَنَّا بِرَبِّ مُوْسٰی وَهَارُوْن (ہم نے موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لایا)۔

تا حلقہ ہای جعد پریشاں گسستہ

بازار کفر و رونق ایماں شکستہ

(جب بھی زلف پریشاں کے حلقے ٹوٹے ہیں اس وقت کفر کے بازار اور ایمان کی رونق نے دم توڑا ہے)

فرعون نے ان لوگوں کو ڈانٹا اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ [طٰہٰ/۷۱] (کیا تم اس پر ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں) ان لوگوں نے جواب دیا فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ ط اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا [طٰہٰ/۷۲-۷۱] یعنی حکم کرو جو تم کر سکتے ہو۔ تم جو کچھ کر سکتے ہو وہ اسی دنیوی زندگی میں، اور دنیا میں بھی تم کو کوئی زیادہ قدرت حاصل نہیں ہے۔ لَا ضَيْرَ ز اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ [الشعرا/۵۰] (ہمیں اس کی ذرا پرواہ نہیں، ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ روایت آئی ہے کہ اگر کسی کو سانپ کاٹ لے تو اس آیت کو پڑھ کر پانی پر تین مرتبہ دم کر کے اس شخص کو پلایا جائے اگر ایک قطرہ پانی بھی اس کے حلق میں چلا گیا تو وہ اچھا ہو جائے گا اور وہ آیت کریمہ یہی ہے قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ یہ آیت رَبِّ اِنِّيْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ [القصص/۲۴] (اے رب! واقعی میں اس خیر کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں) یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب مدین پہنچے تو اسی دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے روٹی کی درخواست کی آپ کا یہ دستور تھا کہ جب بھوکے ہوتے تو

کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے اللہ تعالیٰ کھانا اور پانی ان کو بھیج دیتا جب مدین پہنچے اور بھوک لگی تو یوں درخواست کی میرے پروردگار! جو کچھ تو مجھے بھیجتا تھا میں اس کا محتاج ہوں یعنی کھانا پانی کی ضرورت ہے، دعا قبول ہو جاتی۔ اور یہ دعا کی قبولیت ہی کا اثر تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے مہمان بنا دئے گئے اسی دلیل سے بزرگوں نے کہا ہے کہ اپنی حاجت اپنے پروردگار سے کہنی جائز ہے اس کو شکایت نہیں کہیں گے اگر یہ جائز نہیں ہوتا تو شکایت ہوتی اور موسیٰ علیہ السلام رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ نہیں کہتے۔ جب درخواست کی تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے اپنے پروردگار سے اپنی حاجت کا اظہار شکایت نہیں ہے۔

اسی دلیل سے یہ استفادہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی باطن کو کافی سمجھتا تو اس کو چاہئے کہ ظاہری طور پر بھی اس کا اظہار کرے تاکہ اس کا ظاہر باطن کے موافق ہو، کیا یہ نہیں دیکھتے کہ موسیٰ علیہ السلام باطن میں یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو میری بھوک کی خبر ہے اس کے باوجود اپنے قول سے بھی اس کا اظہار کیا اور صرف باطن کے یقین ہی کو کافی نہیں سمجھا صرف باطن ہی پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے باطن کی رعایت کے ساتھ ظاہر کا استعمال بھی کرے۔

شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ یہاں پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بہت سارے درویشوں نے سوال نہیں کیا ہے (یعنی کچھ نہیں مانگا) اس کی کیا دلیل ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سوال بھی اس کتاب میں اٹھایا گیا ہے اور یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس گروہ کے وہ افراد جنہوں نے سوال نہیں کیا اس کو اس بات پر محمول کریں گے کہ ان لوگوں کو جب اس کے بارے میں باطن کا انکشاف ہوا اور کشف باطن سے دیکھا تاب نہیں لا سکے یعنی ہمت نہیں ہوئی کہ ظاہر کریں۔ ان لوگوں میں یہ کمزوری ہے کہ

اگر ظاہر میں اظہار کرتے ہیں تو باطن میں نقصان ہوگا۔ باطن کی رعایت کو محفوظ نہیں رکھ سکتے جس کو باطن کی رعایت میں کسی قسم کا نقصان اور فتور کا خطرہ نہیں جو اس کی حفاظت کر سکتے ہیں اس کے لئے اظہار حاجت درست ہے ایسے لوگ اصحاب تمکین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے لئے جائز ہے کہ باطن کی رعایت کے ساتھ ظاہر کا استعمال کریں۔

جب موسیٰ علیہ السلام مدین پہنچے ایک درخت کے سایہ کی طرف ان کی طبیعت مائل ہوئی یہاں پر یہ سوال ان لوگوں کے قول پر ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس چیز سے نفس کو راحت ملے وہ حرام ہے۔ اگر نفس کو راحت پہنچانا حرام ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام جو پیغمبر خدا تھے درخت کے سایہ میں گئے اور نفس کو راحت پہنچائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس کو دنیا کی اچھی اور پاک چیزوں سے راحت پہنچانا حرام نہیں ہے۔

یہاں پر یہ شبہ وارد کیا ہے کہ زاہدان (یعنی تارکین دنیا) اپنے نفس کو کیوں نہیں آرام پہنچاتے میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ یہ حضرات اس پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے لیکن راحت نہیں پہنچاتے اس کا سبب یہ ہے کہ کہیں مجاہدہ اور ریاضت میں خلل نہ پڑ جائے اسی وجہ سے راحت نہیں پہنچاتے ایسی بات نہیں کہ حرام سمجھ کر اس سے احتراز کرتے ہیں۔

مجلس - ۲۱

زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولانا کریم الدین نے دریافت کیا جبرئیل علیہ السلام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن لاتے تو کتنی آیتیں لاتے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا منقول ہے کہ پانچ آیتیں لاتے۔ پھر سوال ہوا کیا عرش مجید سے یہی حکم ہوتا کہ پانچ آیتیں لے جائیے یا کوئی اور دوسری بات تھی۔ فرمایا کہ نہیں، جبرئیل علیہ السلام اپنے مقام سے سنتے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس لاکر پہنچاتے۔

شیخ معزالدین نے عرض کیا قیامت کے دن جب زمین نہیں رہے گی اور عرصات کی زمین بھی نہیں ہوگی دوزخ کو اوپر لے جائیں گے اس میں کیا حکمت ہے؟

فرمایا اس میں یہ حکمت ہے کہ مومنوں کو کافروں سے عداوت ہے مومن بہشت میں نعمتوں کے ساتھ رہیں گے اور کفار دوزخ میں تمام تکلیفوں کے ساتھ جلتے رہیں گے اسی لئے دوزخ کو اوپر رکھیں گے تاکہ کفار جب مومنوں کو بہشت میں آرام اور نعمتوں کے ساتھ دیکھیں گے تو ان پر جو عذاب ہوگا اس کی سختی زیادہ محسوس کریں گے اور اہل ایمان جب کافروں کو عذاب میں مبتلا پائیں گے تو خوش ہوں گے اسی لئے دوزخیوں کو اوپر لے جائیں گے تاکہ کفار مومنوں کو بہشت میں آرام وعافیت کے ساتھ دیکھیں۔

اور کہا جاتا ہے کہ اگر دو آدمیوں میں عداوت ہو اور دونوں پانی میں ڈوب رہے ہوں تو جو پہلے ڈوب رہا ہے اس کو دیکھ کر دوسرا خوش ہوتا ہے حالانکہ وہ بھی اسی حال میں مبتلا ہے اور خود بھی ڈوبنے ہی والا ہے۔ دشمن کے ہلاک ہونے کی اس حد تک خوشی ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بعض کے قول کے مطابق قیامت کے دن جس طرح مومنوں کو دیدار نصیب ہوگا اسی طرح کافروں کو بھی دیدار ہوگا لیکن صرف ایک بار۔ اس کے بعد دوزخ کے عذاب میں مبتلا کر دیے جائیں گے۔ ایسا اس لئے ہوگا تاکہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے ہاتھ سے کیسی نعمت جاتی رہی۔

مومنوں کو ازراہِ کرم یعنی عزت وتکریم کے سبب یہ نعمت بخشی جائے گی اور کافروں کو عذاب کے مزید سخت ہونے کے لئے۔

مجلس - ۲۲

زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ افطار کے بعد مولانا کریم الدین نے پوچھا قضا القاضی ینفذ ظاہراً وباطناً میں "باطناً" سے کیا مراد ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "ظاہراً" سے لوگوں کے درمیان اور "باطناً" سے اللہ کے نزدیک مراد ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ اگر قاضی نے دوگواہوں کی گواہی پر (حقیقی) فیصلہ دیا تو اس کا یہ حکم جائز ہوگا ظاہر شریعت میں بھی اور اللہ کے نزدیک بھی۔ اور کل قیامت کے دن اس کی پکڑ نہیں ہوگی مثلاً اگر کسی مرد نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا حالانکہ ان دونوں کے درمیان زوجیت کا رشتہ نہیں تھا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس مرد نے دوگواہوں کو پیش کیا اب قاضی نے ان دونوں گواہوں کے بیان پر زوجیت کا فیصلہ دے دیا (یعنی یہ فیصلہ دے دیا کہ مدعی شوہر ہے اور مدعا علیہا اس کی زوجہ) اب اس فیصلے کے بعد ظاہری شریعت میں زوجیت کے جتنے احکام ہیں سب ثابت ہو جاتے ہیں اور ہر طرح کے تصرفات جائز سمجھے جاتے ہیں۔ باطن میں بھی اگر اس حکم کے مطابق تصرف کرتا ہے تو قاضی پر اللہ کے نزدیک کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ قاضی کو جو حکم ہے اسی کے مطابق اس نے فیصلہ دیا ہے اس

فیصلے کے بعد اگر قاضی کے حکم کے خلاف ظاہر ہو تو قاضی کو حاکم ہونے کی حیثیت سے اس فیصلے سے رجوع کرنے کا حکم نہیں ہے (یعنی قاضی کو فیصلہ بدلنے کا حکم نہیں ہے)۔ گواہوں کو تاوان (جرمانہ) نہیں ہوگا اور نہ یہ فیصلہ بدلا جائے گا۔ اس طرح کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی ہو چکا ہے۔ ایک مرد نے ایک عورت پر یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ عورت میرے نکاح میں ہے دونوں دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے مرد نے اپنا دعویٰ پیش کیا عورت نے انکار کیا اور کہا میں ہرگز اس مرد کے نکاح میں نہیں ہوں۔ مرد نے کہا میں گواہ رکھتا ہوں، جا کر فوراً دو گواہوں کو لے آیا اور دربار نبوی ﷺ میں حاضر کیا ان دونوں نے گواہی دی کہ یہ عورت اس مرد کے نکاح میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کی زوجیت کا فیصلہ دے دیا، اس کے بعد اس عورت نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر یہی حکم ہے تو اس سے میرا نکاح کر کے اس کے حوالے کیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا زوجاك شاهداك یہ حدیث اسی موقع پر آئی ہے۔

اس کے بعد آیاتِ قرآنی کے نسخ کی بات آگئی۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حکماً منسوخ ہوا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ سورۂ نسا، سورۂ بقرہ سے بہت بڑی سورہ ہے۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کو یاد کر لیا تھا اور اس کی تلاوت کرتے تھے ایک رات تلاوت میں مشغول تھے جب سورۂ نسا کی تلاوت کرنے لگے تو کچھ حصہ پڑھنے کے بعد زیادہ حصہ بھول گئے، بہت چاہا کہ یاد آجائے مگر ذرہ برابر یاد نہیں آیا۔ حیران و پریشان اور بے چین ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا کیسی افتاد پڑی کیسی نحوست آئی کہ حافظہ سے نکل گیا رات بھر منتظر رہے کہ صبح ہو تا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر

اس ماجرہ کو پیش کریں۔ جب صبح ہوئی تو حاضر ہوئے اپنی حیرت اور اپنی پریشانی کو پیش کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! رات کا یہ واقعہ ہے۔ حضور اکرم نبی مکرم ﷺ نے فرمایا قد نسخ البارحۃ اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! جب تلاوت منسوخ ہوئی تو ان کے دل سے بھلا دیا گیا پھر ارشاد ہوا کہ لا نسخ فی المعقولات یعنی نسخ معقولات میں نہیں ہے، قصص و اخبار میں بھی نسخ اگر جائز ہوتا تو جھوٹ لازم آتا اور اس بات کی خبر دینے والے کو صادق ہونا چاہئے تا کہ وہ جو خبر دے اس میں صداقت اور سچائی ہو۔

مجلس - ۲۳

زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، مجلس شریف میں برادرانِ یوسف صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے گناہ کبیرہ کا تذکرہ ہونے لگا، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان سے گناہِ کبیرہ کا صدور نبوت کے ظاہر ہونے سے پہلے ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ انبیاء نبوت سے پہلے گناہِ کبیرہ سے معصوم نہیں ہیں۔ یہ جائز ہے کہ ان سے کبیرہ کا ارتکاب ہو لیکن یہ شاذ و نادر ہی ہے یعنی ایسا بہت کم ہوتا ہے اور یہ توبہ سے قریب ہوتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو جفائیں کیں ان کے ارتکاب سے پہلے ہی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ توبہ کر لیں گے یعنی کبیرہ میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی توبہ کے لئے مستعد ہو گئے تھے جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے وَتَكُونُوا

مِنۡ بَعۡدِهٖ قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ [یوسف/۹] (اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ) یہاں صالحین بمعنی تائبین ہے۔ امام زاہد نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ خود گناہ کرنا نہیں چاہا لیکن ایسا وقت آپڑا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر یہ وقت آپڑا ابھی گناہ میں مبتلا بھی نہیں ہوئے تھے کہ توبہ کا قصد انہوں نے کرلیا تھا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے چند بار زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ کیا خوب تفسیر کی ہے کہ خود گناہ کرنا نہیں چاہا مگر ایسا وقت آہی پڑتا ہے جیسا کہ ان لوگوں پر یہ وقت آپڑا۔

اس کے بعد فرمایا کہ انبیاء اظہار نبوت سے پہلے کبائر سے معصوم نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ ارتکاب ہوجائے لیکن توبہ سے بالکل قریب ہوتے ہیں۔ ہاں! نبوت ملنے کے بعد تمام گناہوں سے معصوم ہیں لیکن شرک سے تو ہمیشہ اور ہمہ وقت معصوم ہیں یعنی نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی۔ اور ہر وقت انہیں اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں ہی الہام کے ذریعہ عارف ہیں اور ولادت کے بعد استدلال کے ذریعہ عارف ہیں۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ ولادت کے بعد ان لوگوں کے لئے استدلال ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! ولادت کے ساتھ ہی۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب برادرانِ یوسف کنعان سے مصر پہنچے تو انہیں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچایا گیا۔ ابھی بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا تھا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنی پیغمبری کی صفت سے پوچھا کہ آپ لوگوں کا کوئی اور بھائی بھی تھا ان لوگوں نے بتایا کہ ہاں! ایک اور بھائی تھا جس کا نام یوسف تھا اس کو بھیڑیا کھا گیا اور والد اس کی جدائی میں نابینا ہوگئے ہیں اس کے بعد پوچھنا ہے کہ آپ میں سے کوئی بھائی ایسا ہے اگر شیر پر حملہ کرے تو شیر کو پکڑ

لے اور اپنے ہاتھوں سے اس کے جبڑے کو چیر کر دو ٹکڑے کر دے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں! وہ بھائی یہ ہے، پھر پوچھا کہ کوئی بھائی ایسا بھی ہے جو شہر کے باہر نعرہ لگائے تو اس کے نعرہ کی ہیبت سے شہر میں جتنی حاملہ عورتیں ہیں ان کا حمل گر جائے، ان لوگوں نے بتایا کہ ہاں! وہ بھائی یہ ہیں۔ اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے طیبت یعنی مزاح کے طور پر فرمایا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جہاں ایسے ایسے بھائی موجود ہوں وہاں بھیڑیا کیسے لے گیا۔ جب حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ فرمایا تو بہت زیادہ تبسم فرمایا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے خود کو ان پر ظاہر فرمایا یعنی اپنا تعارف کرایا تو ان سب نے ہیبت اور شرم سے سر کو جھکا لیا، ہیبت زدہ تو ان کی بادشاہی سے ہوئے کہ کہیں بدلہ نہ لیا جائے اور شرمسار اپنی جفاؤں سے ہوئے لیکن اس کے باوجود یوسف علیہ السلام نے ان سب کو معاف کر دیا اور پھر اس کا کوئی ذکر ان سے نہیں کیا اور بدلہ نہیں لیا بلکہ یوں کہا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ز وَهُوَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ [یوسف/۹۲] (نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن معاف فرمادے اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو، وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے) آج آپ لوگوں پر کوئی سرزنش نہیں خدائے تعالیٰ آپ لوگوں کو معاف فرمائے۔ اسی لئے بزرگان یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی کے ساتھ برائی اور ظلم کیا ہو تو اسے معاف اور درگذر کر دینا چاہیے اس کو سزا نہ دے اور بدلہ نہ لے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا۔ بھائیوں کے لئے دعا کی یغفر اللہ لکم (اللہ آپ لوگوں کو معاف کر دے) پھر جب آپ کے والد ماجد اور برادران مصر میں آئے تو یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ باپ بیٹے میں ہجر و فراق کی یہ مدت چوالیس (۴۴) سال رہی۔ جب ملاقات ہوئی تو اپنے بھائیوں کے ظلم وستم کا، ان کے بیچنے کا اور کنوئیں میں ڈال دینے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ یوں کہا وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا

تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِن قَبْلُ ز قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ط وَقَدْ أَحْسَنَ بِيٓ إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ مِن بَعْدِ أَن نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي [یوسف ۱۰۰] (اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب کی جو پہلے دیکھا تھا میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا ہے اور اس نے بڑا کرم فرمایا مجھ پر جب اس نے نکالا مجھے قید خانہ سے اور لے آیا تمہیں صحرا سے اس کے بعد کہ ناچاقی ڈال دی تھی شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان) یعنی فرمایا کہ یہ میرے اس خواب کی تاویل ہے جو میں نے دیکھا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ بڑی مہربانیاں کیں اور مجھے قید خانہ سے نجات دی۔ یوسف علیہ السلام کو اتنی ساری تکلیفیں پہنچیں اس کے باوجود بھلائی اور اچھائی کے تذکرہ کو مقدم رکھا۔ یہاں بھی بزرگوں نے یہی کہا ہے کہ اگر کوئی تکلیف اور مصائب سے دو چار ہے تو وہ اچھائی اور بھلائی کے تذکرہ کو مقدم رکھے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے مقدم رکھا۔

مجلس - ۲۴

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی مجلس شریف میں سادات کا ذکر ہونے لگا۔ خاکسار نے عرض کیا اکرموا اولادی الصالحون للہ والطالحون لی (میری اولاد کی تکریم کیجئے جو نیک بندے ہیں وہ اللہ کے ہیں اور جو برے ہیں وہ میرے ہیں) حدیث نبوی ہے اور حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث نگاہِ مبارک سے گذری ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا کہ حدیث کی کتابوں میں تو نہیں دیکھا ہے مگر اسے حدیث کہتے ہیں۔

خاکسار نے دریافت کیا کہ یزید رسول خدا ﷺ کی اولاد میں سے تھا؟ جواب ملا کہ نہیں وہ تو صحابی کی اولاد میں ہے یعنی حضرت معاویہ کا بیٹا تھا۔

پھر خاکسار نے سوال کیا کہ یزید پر لعنت نہیں کی جائے اس میں کیا مصلحت ہے؟ ارشاد ہوا اس کا سبب شاید یہ ہے کہ کم تر کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے سے برتر پر لعنت کرے اور اگر یزید صحابہ یا تابعین میں سے تھا تو اسی لئے نہیں چاہئے دوسری بات یہ کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے صحابہ جس چیز میں مبتلا ہو جائیں میں نے اپنے پروردگار سے ان کی مغفرت کی دعا کی ہے اور ان کو بخش دیا گیا ہے اس لئے بھی لعنت نہیں کرنی چاہئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یزید نے بعد میں توبہ کر لی ہو اور توبہ کے بعد لعن طعن نہیں چاہئے ہم لوگوں کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اجمالاً یوں کہیں کہ خاندانِ رسالت کے دوستوں کے ہم دوست ہیں اور ان کے دشمنوں کے ہم دشمن ہیں۔

اسی موقع پر حضرت امیر المؤمنین حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ یزید کی دشمنی اور عداوت کا تذکرہ آگیا۔ ارشاد ہوا کہ جس طرح دونوں کے والد کے درمیان مخالفت ہوگئی تھی اسی طرح دونوں کے بیٹوں میں بھی مخالفت ہوگئی تھی۔ پہلے حضرت معاویہ نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے میں خروج کیا اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد یزید پسر معاویہ نے امیر المؤمنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے عداوت کی۔ اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ جب حضرت معاویہ دنیا سے رخصت ہوئے یزید نے ان کی جگہ لے لی اور ہر شخص سے بیعت کرنے کو کہا یہاں تک کہ امیر المؤمنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بھی نوبت آئی، ان کے پاس ایک شخص کو بھیجا کہ میرے ہاتھ پر بیعت کیجئے۔ امیر المؤمنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پہلے دو تین چیزوں کی وضاحت کی کہ جس شخص میں یہ چیزیں موجود

ہوں وہ امامت کے لائق نہیں ہے ہم تمہارے پاس نہیں آسکتے اور وہ کام نہیں کر سکتے جو شرع کے خلاف ہے اگر مدینہ میں میرے قیام کی وجہ سے تم کو مجھ سے عداوت پیدا ہوگئی ہے تو ہم مدینے سے چلے جاتے ہیں اور مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ یزیدی فوج جب مدینہ میں آپ کے مسکن تک پہنچ گئی تو کہا گیا کہ جب مدینہ پہنچ گیا ہے تو مکہ بھی پہنچے گا اس لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے ادھر یزید نے کوفہ خطوط روانہ کر دئے کہ حسین رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا جائے، کوفہ میں تمام راستے بند کر دئے گئے تب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے دشتِ کربلا کی راہ لی۔ وہاں سے ملکِ شام چلے جانے کا ارادہ رکھتے تھے دشتِ کربلا کوفہ سے قریب تھا جیسے ہی دشتِ کربلا میں پہنچے یزید کی فوج سامنے آگئی اور یہیں جنگ ہوئی۔

خاکسار نے عرض کیا کہ کربلا کس سبب سے کہتے ہیں ارشاد ہوا کہ اس دشت کا نام ہی کربلا تھا اور اس ملک میں ہر میدان کا الگ الگ نام تھا۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ روایتوں میں آتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عشرہ مبشرہ میں سے دو صحابی حضرت معاویہ کے پاس گئے تھے۔ علمائے اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے پاس ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور عشرہ مبشرہ میں سے ان دونوں صحابیوں کے جانے کی وجہ سے معاذ اللہ یہ نہیں کہنا چاہئے کہ امام حق (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا ساتھ چھوڑ کر اس امام کے ساتھی اور معاون ہو گئے جن کو غلبہ حاصل تھا۔ بلکہ یہ حضرات اس لئے گئے تھے تاکہ دونوں میں صلح کرائی جاسکے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کے درمیان جو سب سے پہلی جنگ ہوئی وہ یہی واقعہ تھا۔

اس مجلس میں بعض حاضرین نے تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ حضرت معاویہ جو کاتب وحی تھے اور صحابہ کرام میں سے تھے ان سے ایسی بات ہوگئی؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ازل ہی میں اس کا حکم ہو چکا تھا کہ ان سے یہ چند چیزیں وجود میں آئیں گی تو پھر یہ کیسے نہ ہوتا۔

اس کے بعد فرمایا بعض جگہ لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ ہوئی تو اس سے دین کے ایک تہائی احکام کا استفادہ ہوا جیسے سرکشی اور غنیمت کے کیا احکام ہیں، مقتولین اور باغیوں کے کیا احکام ہیں، امام حق کے مقتولین کے لئے کیا حکم ہے، جمعہ، خطبہ اور وہ چیزیں جو ان سے متعلق ہیں (ان کے کیا احکام ہیں)۔ کہتے ہیں کہ اس وقت اسلام کے ایک تہائی احکام کا استفادہ ہوا اب ان کی اس ایک معصیت میں کیا راز ہے اس بھید کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

ہر نیک و بدی کہ در شمار است

چوں در نگری صلاح کار است

(جتنی بھی اچھائی اور برائی ہے جب ان پر غور و فکر کی نظر ڈالو گے تو ان میں بھلائی ہی دکھائی دے گی)

اس کے بعد ارشاد ہوا روایت میں آتا ہے کہ ایک روز امیر المومنین حسن اور حسین رضی اللہ عنہما حضرت رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھیل رہے تھے اور آپ بہت ہی خوش و مسرور ہو رہے تھے اسی وقت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ خوش ہو رہے ہیں حالانکہ ان دونوں کے متعلق یہ حکم ہو چکا ہے کہ ایک کو زہر دیا جائے گا اور دوسرے دشت کربلا میں شہید کر دئے جائیں گے۔

نہ خواہد برد سعدی جاں ازیں کار

مسافر تشنہ و جلاب مسموم

(سعدی ان حالات میں جاں بر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مسافر پیاسا ہے اور بردہ فروش زہر آلود ہے)

اس کے بعد فرمایا ایسی بھی روایت ہے کہ یزید آپ سے بیعت کا ارادہ رکھتا تھا لیکن وہ لوگ جو جنگ کے لئے گئے تھے انہوں نے اپنی رائے سے آپ کو شہید کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو یزید نے قتل کر دیا واللہ اعلم بالصواب

مجلس - ۲۵

زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ مجلس شریف میں مشیت اور ارادہ کا تذکرہ ہونے لگا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عصمت الانبیاء میں آیا ہے کہ مشیت اور ارادت دونوں ایک ہی ہے الا انما یحصل بالارادت یطلع علیه غیر الله وانما یحصل بالمشیة لا یطلع علیه غیر الله بس اسی قدر فرق کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو جو خوف ہے وہ اسی وجہ سے ہے اس لئے کہ مشیت کی اطلاع خداوند تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے نہ فرشتوں کو خبر ہے اور نہ لوح وقلم کو۔ قلم کو بس اتنا ہی حکم ملتا ہے کہ لکھ فلاں ابن فلاں نیک بخت ہے اگر ہم چاہیں اور فلاں ابن فلاں بد بخت ہے اگر ہم چاہیں اور یہ سب کچھ عصمت الانبیاء میں مذکور ہے قلم لوح محفوظ پر جو لکھتا ہے وہ اسی طور پر لکھتا ہے تحقیق کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ قلم لکھتا ہے لیکن اس کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ مشیت کیا ہے اسی طرح لوح کو بھی مشیت کی اطلاع نہیں ہے حالانکہ اسی میں لکھا جاتا ہے۔

یک ذرہ ز زلف کافر او
غارت گر صد ہزار دین است

(اس کافر کی زلف کا ایک ذرہ ہزاروں دین کو غارت کر دیتا ہے)

اسی درمیان میاں حسام الدین امام ہیبت خان نے گذارش کی کہ آج کی رات ''شب برأت'' ہے پورے سال میں جو کچھ ہونے والا ہے فرشتوں کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے کہ ان کاموں کا نفاذ ہوگا چنانچہ ملک الموت کو خبر دی جاتی ہے کہ فلاں ابن فلاں اتوار کو ظہر کی نماز کے بعد اس دارفنا سے دار بقا کو رحلت کرے گا۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ملک الموت کو بھی جو خبر دی جاتی ہے وہ بھی اسی طور پر دی جاتی ہے کہ فلاں ابن فلاں اتوار کو دارفنا سے دار بقا کو رحلت کرے گا ان شیٔت یعنی اگر ہم چاہیں گے۔ اس میں بھی مشیت چھپی ہوئی ہے۔

پھر سوال کیا کہ جب اتوار کو اس کا انتقال ہو گیا تو ملک الموت کو خبر ہوگئی کہ مشیت یہ تھی؟ ارشاد ہوا کہ موت کے واقع ہونے کے بعد مشیت معلوم ہوئی، موت سے قبل مشیت معلوم نہیں تھی اور میری گفتگو جو ہو رہی ہے وہ کسی چیز کے وجود میں آنے سے قبل کے موضوع پر ہو رہی ہے،، جس چیز کے ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے اور اس کو اپنی مشیت پر منحصر رکھا ہے فرشتوں کو اس کے بارے میں اس سے زیادہ علم نہیں کہ اللہ نے اس کے ہونے کی خبر دی ہے اور اس کو اپنی مشیت پر موقوف رکھا ہے، فرشتوں کو قطعاً یہ معلوم نہیں کہ ہوگا کیا، ان کو اس وقت معلوم ہوتا ہے جب وہ چیز وجود میں آجاتی ہے، وجود میں آنے سے پہلے اس کا علم ان کو نہیں ہے کیونکہ وہ مشیت کے تحت میں ہے۔

اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہمارے مذہب میں استثناء (انشاء اللہ کہنا) الٰہ کو مستقبل کے لئے بھی جائز رکھتے ہیں۔ یعنی مومن اگر کہے کہ انا مومن انشاء اللہ تعالیٰ تو اسے مستقبل میں مراد لیتے ہیں اور یہ جائز ہے لیکن ماضی اور حال میں کہ جہاں مومن کا ایمان موجود ہے اور

اس کو قطعی علم ہو کہ مومن تھا اور مومن ہے تو اس میں استثنا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ تو معلوم ہی ہے استثنا اس فعل میں درست ہے جس کے وجود میں ہیر پھیر ہو یعنی ہو گا کہ نہیں ہو گا ایسے محل اور موقع میں استثنا ہے اور اس کا تعلق مستقبل ہی سے ہے کیونکہ اس کا علم بندہ کو قطعاً نہیں ہے جیسے خاتمہ بخیر ہونے کے متعلق کہ اس کا تعلق مستقبل سے ہے اور بندہ کو اس کی اطلاع نہیں ہے کہ خاتمہ ایمان پر ہو گا یا نہیں ہو گا ایسی صورت میں استثناء کو جائز قرار دیتے ہیں۔

چوں زلف بناز برفشانی

صد خرقہ گرو شود بخمار

(جب آپ زلف کو ناز بھرے انداز میں بکھیرتے ہیں تو سینکڑوں خرقے شراب خانے میں گروی رکھے جاتے ہیں)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استثناء کو زمانہ حال اور ماضی میں بھی جائز سمجھتے ہیں اور تردد و شک نہیں رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک زمانہ حال میں بھی تردد اور شک معاذ اللہ ان کو اپنے ایمان میں نہیں ہے اس لئے جائز سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ فعل جو زمانہ حال و ماضی میں وجود میں آیا ہے ویسا ہی ہے جیسا کہ حقیقتاً موجود ہو لیکن اس فعل میں استثناء کرنا لائق ادب ہے اس لئے یہ ادب ہو گا کہ اس فعل کو مشیت کے حوالے کیا جائے اور خود کو اس فعل سے علحدہ رکھا جائے۔ اگرچہ زمانہ حال میں اپنے ایمان میں تردد و شک نہیں ہے اور اپنے اس ایمان کا علم و یقین ہے لیکن ادب یہی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کر دیں۔ اپنی بات کی تائید میں اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس وقت محمد رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے قبل مدینہ میں تشریف فرما تھے خواب دیکھا کہ مکہ کو فتح کیا ہے اور مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہے اس میں کسی شک و شبہ اور کذب یعنی اس کا غلط ہونا بھی قطعاً

جائز نہیں ہے جیسا دیکھا ہے ویسا ہی ہوگا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اس طرح خبر دی ہے لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ [الفتح/۲۷] (تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے) اگر اسی قدر خبر دی جاتی کہ لَتَدْخُلُنَّ تو یہی کافی ہوتا اس لئے کہ یہ اخبار ہے اور ان امور میں سے ہے کہ یقیناً ہو کر رہے گا اور اس میں کذب اور خلاف بھی جائز نہیں ہے اس کو ہونا ہی ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ادب سکھانے کے لئے یوں فرمایا لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو بندہ سے وجود میں آتی ہے اس کو اللہ کی مشیت کے حوالے کرنا ادب ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے لیکن ہمارے علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ استثناء (یعنی انشاء اللہ کہنا) جو اس آیت میں مذکور ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قول لَتَدْخُلُنَّ کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ اٰمِنِيْنَ کے متعلق ہے اس لئے کہ وعدہ اس میں نہیں ہے کہ اٰمِنِيْنَ (یعنی امن و امان) میں داخل ہوں گے یا خائفین (یعنی خوف و ہراس) میں داخل ہوں گے۔ یہ خبر اور وعدہ داخل ہونے میں ہے تو استثناء کا کیا فائدہ۔ بلکہ جس کا وعدہ اور خبر نہیں ہے اس کو مشیت سے متعلق کرنا بہتر اور مناسب ہے۔

مجلس - ۲۶

شرف زیارت سے مشرف ہوا۔ مغرب کی نماز کے بعد خاکسار نے گذارش کی اس عمل میں کہ جس کے قبول کرنے کی شرائط موجود نہیں ہیں اس کا حکم کیا ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا هَبَآءً مَّنْثُوْرًا [الفرقان ر ۲۳] (ہوا اور گرد وغبار) ہے۔ اس کے لئے کوئی بدلہ نہیں ہے لیکن جائز ہونے کی شرائط کے وجود کے اعتبار سے شرعاً ذمہ داری سے خارج ہوگا۔

خاکسار نے پھر پوچھا بندہ کل قیامت کے دن قبول کرنے کی شرائط کے ترک کی وجہ سے ماخوذ ہوگا یا نہیں؟ فرمایا نہیں۔

اسی درمیان شیخ معزالدین نے عرض کیا اس رو سے تو یہ ہوگا کہ بندہ مامور نہیں ہے ارشاد ہوا کہ ہاں۔

پھر خاکسار نے دریافت کیا اگر کسی نے قبول کرنے کی شرائط کو لازم کرلیا ہے تو اس میں تقصیر (عدم ادائیگی) کی وجہ سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ جواب ملا کہ وہ تقویٰ ہے جب اس نے پابندی کرلی تو لازم ہوگیا اور اس حال کے حکم کے تحت فرض حالی ہوگیا جہاں تک ممکن ہو بجالائے لیکن جس مقدار میں بجالاسکتا تھا نہیں بجالایا تو اس کے لئے وہ ماخوذ ہوگا۔

خاکسار نے عرض کیا ایمان میں قبول کرنے کی شرائط میں سے کوئی چیز ہے؟ ارشاد ہوا کہ ایمان میں قبول کرنے کی شرائط میں یہی ہے کہ قبل الباس ہونا چاہئے۔

اس موقع پر عطائی ایمان اور عاریتی ایمان کی بات ہونے لگی۔ خاکسار نے سوال کیا عطائی ایمان اور عاریتی ایمان کی پہچان کے لئے کوئی علامت ہے؟

ارشاد ہوا ہاں ہے۔ ایک علامت تو یہی ہے کہ نعمت ایمان کی قدر جانے، اس ایمان کی وجہ سے جو کچھ واجب ہوا ہے اس پر عمل کی توفیق ہو، اس کا حق ادا کرتا ہو۔ اگر یہ سب صفات اپنے اندر پائے تو سمجھ لے کہ یہ عطائی ہے۔ اور اہل معرفت ہر چیز کو اس چیز کی

اپنی خاصیت سے پہچانتے ہیں، اس لئے کہ ہر چیز کی اپنی خاصیت ہوتی ہے، اس کی نگاہ اسی پر جاتی ہے اور وہ پہچان لیتے ہیں۔ چنانچہ پیری کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ پیر آنے والے بندہ کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ سعید ہے یا شقی ہے، نیک بختوں میں ہے یا بد نصیبوں میں۔ اگر وہ سعید اور نیک بخت ہے تو اسے قبول کر کے بیعت سے مشرف فرماتے ہیں اور اگر اس کے برعکس ہوتا ہے تو اسے لوٹا دیتے ہیں اور قبول نہیں کرتے اس لئے کہ جو مردود ازلی ہے اسے کون قبول کر سکتا ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی یہ سوال اٹھایا کہ انبیاء علیہم السلام کو تمام چیزوں کے خواص معلوم تھے اس کے باوجود وہ سب کو دعوت دیتے تھے۔ اس کا جواب حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ اگرچہ انبیائے کرام کو تمام خاصیتوں کا علم تھا لیکن ان کی دعوت تو اتمام حجت کے لئے تھی نہ کہ مردود ازلی کو مقبول بنانے کے لئے تھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ عین القضاۃ نے سلب ایمان کے بارے میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی ایک عطا ہے اور ایمان کو سلب کر لینا عطاو بخشش کو واپس لے لینا ہے عطا سے پھر جانا یعنی واپس لے لینا تو مناسب نہیں ہے۔ اس شبہ کا خود ہی یہ جواب دیا کہ یہ عطا سے پھر جانا یعنی عطاو بخشش کو واپس لے لینا نہیں ہے بلکہ بندے نے نعمت ایمان کی قدر نہیں پہچانی اور اس ایمان سے جو عمل اس پر واجب ہوا تھا اس کو بجا نہیں لایا اس معنی کے اعتبار سے بندے نے اس عطاو بخشش کو خود رد کر دیا نہ کہ اللہ کی جانب سے واپس لے لیا گیا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ کہا تو کئی بار فرمایا کہ کیا خوب جواب دیا ہے کہ یہ عیب (قصور) بندے کا ہے۔

اسی درمیان خاکسار نے سوال کیا جب اس عطاو بخشش کا رد بندے کی طرف سے ہوتا ہے تو پھر اس کو سلب ایمان کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب ملا کہ سلب ایمان رد کرنے کا بدلہ ہے نہ کہ عطاو بخشش کو واپس لینا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تمہیدات میں ایک شبہ یہ اٹھایا گیا ہے کہ رویت (دیدار) کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا سوال رویت کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ اگر رویت منع ہوتی تو سوال جائز نہ ہوتا۔ اس لئے یہ جائز ہے اور جب جائز ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام کے تُبْتُ اِلَیْكَ (میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں) کہنے کا کیا مفہوم ہوا؟ اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آدمی کی طبیعت اور فطرت کی یہ خاصیت ہے کہ جب کوئی خوف ناک بات دیکھتا ہے تو توبہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پہاڑ کو ٹکرے ہوتے ہوئے دیکھا اور یہ ہول ناک منظر معائنہ کیا تو کہنے لگے تُبْتُ اِلَیْكَ یہ اس لئے نہیں کہا کہ رویت کا سوال کیا تھا اور وہ سوال جائز نہ تھا۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بہت ہی اہم مسئلہ اس کتاب میں اٹھایا گیا ہے۔

مجلس - ۲۷

شرف دیدار سے مشرف ہوا۔ شیخ زادہ اُچہ[1] مجلس میں حاضر تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمام پیغمبروں میں افضل ہیں تو پھر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ کے کیا معنی ہیں؟ اس میں تو حضرت

ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے اور مشبہ بہ یعنی جس سے تشبیہ دی جائے وہ افضل ہوگا۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَلٰی قَدْرِ مَنْزِلَتِهٖ وَمَرْتَبَتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ عَلٰی مَنْزِلَتِهٖ وَمَرْتَبَتِهٖ یہ تشبیہ نفس رحمت میں ہے نہ کہ جس پر رحمت کی گئی ہے اس میں ہے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جیسا ابراہیم علیہ السلام پر ان کی قدر و منزلت کے اعتبار سے رحمت نازل فرمائی ہے اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی قدر و منزلت کے مطابق رحمت فرما۔ یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

شیخ معزالدین نے سوال کیا جب تمام انبیاء رحمت کے لئے مخصوص ہیں تو خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دینے میں کون سا معنی پوشیدہ ہے؟

ارشاد ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو مقام خُلت حاصل ہے (یعنی وہ خلیل اللہ ہیں) اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محبت حاصل ہے (یعنی آپ حبیب اللہ ہیں) اور خلت و محبت تقریباً ایک ہی معنی میں ہیں دوسروں کی بہ نسبت یہاں مناسبت زیادہ ہے۔ واللہ اعلم

مجلس - ۲۸

زمیں بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ افطار کے درمیان ان لوگوں کے متعلق تذکرہ ہونے لگا جو علم حاصل کر لینے کے بعد اپنے والد کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں اور اسی شرم کی وجہ سے اپنے والد کے نام کو ظاہر نہیں کرتے۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مالک دینارؒ عظیم المرتبت بزرگ اور مقتدائے طریقت تھے انہوں نے بھی اپنے والد کو حقیر نہیں سمجھا اور خود کو مالک دینار (یعنی مالک بن دینار) کے نام سے مشہور کیا ہے اتنے زیادہ مریدان اور شاگردان تھے جن کی کوئی حد نہیں چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک دن مالک دینارؒ کسی سڑک سے گذر رہے تھے، مریدوں شاگردوں اور دوسرے لوگوں کا ہجوم آپ کے ساتھ تھا سامنے سے ایک سید صاحب آئے سلام کیا، مالک دینارؒ کا ہاتھ پکڑا اور کہا آپ میرے غلام کے لڑکے ہیں اور آپ کو یہ عزت و مرتبہ حاصل ہے اور میں رسول اللہ ﷺ کا نواسا ہوں اور میرا یہ حال ہے۔ مالک دینارؒ نے جواب دیا میں نے آپ کے نانا جان (ﷺ) کے حکم کی پابندی کی اسی پر عمل کیا اور یہ دولت پائی۔ آپ نے وہ نہیں کیا تو اس حال کو پہنچے۔ جب رات ہوئی مالک دینارؒ نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ عتاب فرمارہے ہیں ارشاد ہوا کہ اے مالک دینارؒ تو نے میری اولاد پر عیب رکھا ہے یہ سن کر مالک دینارؒ نے توبہ و استغفار کی۔

اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جہاں کہیں خاندانی شرف موجود ہے جیسے سادات یعنی فرزندان رسول علیہ السلام اور فرزندانِ مشائخ، وہاں ان کی تعظیم کے لئے علم شرط نہیں ہے کہ اگر ان میں علم ہوگا تب تعظیم کریں گے۔ ہاں! اگر علم بھی ہے تو یہ شرف پر شرف اور دوہری فضیلت ہے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ مالک دینارؒ کا یہ خواب اس حدیث اکرموا اولادی الصالحون للہ والطالحون لی میری اولاد کی تکریم کیجئے جو نیک بندے ہیں وہ اللہ کے ہیں اور جو برے ہیں وہ میرے ہیں) کی صحت کے لئے دلیل ہوگی؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! واللہ اعلم

مجلس - ۲۹

شرف زیارت سے مشرف ہوا۔ مجلس شریف میں اولیاء کی ولایت کے موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اولیاء میں سے ہر ولی کے لئے روئے زمین میں ان کی ولایت باطنی کی ایک حد ہوتی ہے،، جس طرح بادشاہوں کو دنیاوی مملکت میں۔ ہر ولی کو اپنی ولایت کی حد کے اندر تصرف جائز ہے اور اس میں ان کا فرمان چلتا ہے جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن دوسرے ولی کی سرحد کے اندر تصرف جائز نہیں ہے جس طرح دنیاوی بادشاہوں کی مملکت میں ایک حد متعین ہے ان کا تصرف اس حد سے آگے جائز نہیں۔ اگر کوئی دوسرے کی مملکت کے ایک گاؤں پر بھی تصرف کرنا چاہے تو وہاں اس کا تصرف جائز اور نافذ نہیں ہوگا اسی طرح اولیاء کے لئے ولایت باطنی ہے۔

پھر کرامت کے ظاہر کرنے کا تذکرہ آگیا کہ بعض بزرگوں سے کرامت کا اظہار ہوا ہے حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کرامت کا اظہار جائز نہیں ہے۔ جب کرامت کا چھپانا فرض ہے تو یہ حضرات فرض کا ترک اپنے لئے کیسے جائز رکھ سکتے ہیں۔ لیکن بزرگوں کی کرامت کا ذکر کہیں کہیں ملتا ہے تو یہ وقت کی گرمی، حالت سکر یا مریدوں کی ترغیب کے لئے ہوا ہے ان تین کے علاوہ کوئی چوتھی قسم نہیں ہے۔

سری ست مرا با تو کہ کس محرم آں نیست
گر سر برود سر تو با کس نہ کشائیم

(میرے اور آپ کے درمیان جو راز ہے اس کو کوئی بھی نہیں جانتا
اگر میں سولی پر بھی چڑھا دیا جاؤں تو اس راز کو افشا نہیں کر سکتا)

لیکن ان تین حالتوں کے علاوہ اگر کسی نے کسی بزرگ کے متعلق کچھ بیان کیا ہو اور وہ اصول وقانون سے باہر ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ان بزرگوں سے نہیں بلکہ نادان مریدوں نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے اور ان بزرگوں سے منسوب کر دیا ہے۔

خاکسار نے دریافت کیا کرامت کے چھپانے کی فرضیت میں کیا حکمت ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ان پر ایمان لانا فرض نہیں ہے کہ اس کی صحت کے لئے کرامت کا اظہار کریں جیسا کہ پیغمبروں کے بارے میں ہے کہ ان پر دعویٰ نبوت کی صحت کے لئے معجزے کا ظاہر کرنا فرض ہوا ہے اسی کے برعکس اولیاء اگر کرامت کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی شہرت ہوگی اس میں فتنے کا احتمال ہے۔ عُجب (گھمنڈ) بھی پیدا ہو سکتا ہے اور اس میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

خاکسار نے عرض کیا اولیاء کو تو یہ قوت حاصل ہے کہ خود کو عجب (گھمنڈ) سے بچا لیں۔ ارشاد ہوا ہاں! اس کے باوجود ممکن ہے کہ عُجب میں مبتلا ہو جائیں اس لئے کہ اولیاء معصوم نہیں ہیں۔

پھر خاکسار نے سوال کیا مریدوں کو رغبت دلانے کے لئے بھی کرامت کا اظہار کر سکتے ہیں؟

جواب ملا کہ ہاں! ایسی روایت آتی ہے لیکن اگر صادق ہو، اور وہ بلائیں و آفتیں جو کہی گئی ہیں وہ سب نہ ہوں تو جائز ہے اور ایسی روایت کتابوں میں موجود ہے۔ اور جو قسمیں اوپر گذریں ان میں یہ قسم موجود ہے۔

پھر اسی موقع پر ولی کو اپنی ولایت کے علم ہونے کا تذکرہ آگیا، اور اس کے بارے میں گفتگو ہونے لگی، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ

ولی کو اپنی ولایت کا علم ہوتا ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم نہیں ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی اپنی دلیل پیش کرتے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علم نہیں ہوتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو جائے تو وہ خاتمہ سے مامون ہو جائیں گے اور یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ایمان کو خوف و رجا کے درمیان ہونا چاہیئے اور ولایت کا علم ہونے میں خوف و رجا باقی نہیں رہتا ہے تو ظاہر ہوا کہ ان کو اپنی ولایت کی خبر نہیں ہوتی۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ اولیاء کو اپنے ولی ہونے کی خبر ہوتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ ولایت کے علم ہونے سے امن لازم آتا ہے لیکن یہ امن ان کے ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔ یہ امن ویسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے عشرۂ مبشرہ کی سعادت کی خبر دی ہے کہ یہ لوگ بہشتی ہیں ان لوگوں کو حضور ﷺ کی اس خوشخبری سے امن حاصل ہو گیا کیونکہ شرع کے اخبار میں شک و شبہ کفر ہے اس امن کے باوجود ان کے دین میں ذرہ برابر نقصان نہیں ہوا۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس گفتگو کے درمیان خود ہی یہ سوال اٹھایا کہ عشرۂ مبشرہ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا لیکن ولی کے بارے میں کس ذریعہ سے معلوم ہوگا اس لئے کہ وحی تو منقطع ہو چکی ہے؟ اس سوال کا خود ہی جواب دیا کہ اگر وحی منقطع ہو گئی تو حدیث باقی ہے یعنی الہام وحی کی جگہ پر ہے یہ لوگ الہام کے ذریعہ جانتے ہیں اور الہام میں ویسی صحت نہیں ہے جیسی کہ وحی میں ہے اسی لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے الہام کے بارے میں یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ یہ الہام رحمانی ہے یا شیطانی؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ معرفت اور ولایت کے نور سے جانتے ہیں اور تمیز کر لیتے ہیں کہ یہ الہام رحمانی ہے اور یہ شیطانی۔ پھر وہ اس سے الگ نہیں کر سکتے اس لئے کہ ولایت اور معرفت کا نور ان کو مکر

وفریب سے نہیں نکالتا تاکہ وہ فرق کرسکیں یہ لوگ جو کچھ جانیں گے علامات اور نشانیوں کے ذریعہ جانیں گے اور اس سے دلیل قطعی ثابت نہیں ہوتی اس کے بعد بھی مکروفریب باقی رہتا ہے علامات اور نشانیوں سے مکروفریب ختم نہیں ہوتا کہ قطعی طور پر معلوم ہوجائے۔

خاکسار نے دریافت کیا اگر کسی کے بارے میں یہ فرض کرلیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں اسے بشارت دی ہے کہ تو ولی ہے۔ حضور ﷺ تو مخبر صادق ہیں، آپ ﷺ جو خبر دیں گے اس کا غلط ہونا بھی جائز نہیں ہے اور آپ ﷺ کی شکل میں شیطان بھی نہیں آسکتا ہے تو ایسی صورت میں (خواب دیکھنے والے کو اپنے ولی ہونے کا علم) قطعاً ہوگا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگرچہ تمثیل شیطان نہیں ہے (یعنی شیطان حضور ﷺ کی شکل میں نہیں آسکتا ہے) اور رسول اللہ ﷺ خواب میں دیکھا بھی ہے جب بھی قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ سننے میں اس نے خود یہ خیال اور گمان پیدا کرلیا ہو کہ میں نے یہ بشارت رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے حالانکہ یہ بشارت حضور ﷺ سے نہ ہو۔ اس نے یہ گمان کرلیا کہ رسول خدا ﷺ نے خبر دی ہے حالانکہ یہ خبر شیطان نے سنوائی ہو جیسا کہ حضور ﷺ کے بارے میں یہ واقعہ سورۂ والنجم کی تفسیر میں موجود ہے کہ ایک روز آپ ﷺ سورۂ والنجم ڑھ رہے تھے اس وقت صحابہ کا مجمع تھا، دشمنانِ اسلام اور منکروں کی جماعت بھی موجود تھی۔ شیطان ان کی جماعت میں اس طرح آکر بیٹھ گیا کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا جب حضور ﷺ اس آیت پر پہنچے أَفَرَءَيْتُمُ اللَّٰتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَوٰةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝ [النجم ۱۹/-۲۰] (بھلا تم نے دیکھا لات اور عزّٰی کو اور منات تیسرے پچھلے کو) تو آپ ﷺ کی سانس یہاں پر رک گئی پھر اس آیت کو شروع سے پڑھنا چاہتے تھے کہ شیطان نے اسی لمحہ آپ ﷺ کی آواز سے آواز ملا کر یہ پڑھ دیا

تلك العزانيق العلی منها شفاعة لترجی یعنی یہ بت ایسے بزرگوار ہیں کہ ان کی شفاعت کی امید رکھنی چاہیئے، کافروں نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ پڑھا ہے سب تالیاں بجانے لگے اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے ہمارے بتوں کی شفاعت کا اقرار کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا میں نے ایسا پڑھا ہے؟ صحابہ نے کہا ہاں یارسول اللہ ﷺ! حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ بہت منغص ہوا (حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری آواز نہ تھی بلکہ یہ شیطان تھا جس نے میری آواز میں آواز ملا کر پڑھ لیا) الغرض یہ قصہ بہت طویل ہے اگر کوئی تفصیل دیکھنا چاہتا ہے تو تفسیر میں دیکھ لے۔ اس میں بہت ساری مشکل بحثیں بھی آئی ہیں۔

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر اس خواب کے بارے میں تحقیق ہو جائے کہ یہ شیطانی نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ہے تو قطعاً ثابت ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ اس امر میں اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے خواب دیکھنے والا اپنے حق میں کیسے فرق کرسکتا ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ہی سنا ہو، ہوسکتا ہے کہ اس کے اندر مکر وفریب اور استدراج پوشیدہ ہو، اس لئے ہر حال میں خوف باقی رہتا ہے، ختم نہیں ہوسکتا، ختم اسی وقت ہوسکتا ہے جب مکرو استدراج سے باہر ہو جائے۔

خاکسار نے دریافت کیا اگر کسی نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو اس خواب دیکھنے والے کے بارے میں قطعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سعید ہے شقی نہیں ہے اس لئے کہ بدبختی (شقاوت) اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

جواب ملا کہ یہاں پر بھی فرق نہیں کرسکتے اس لئے کہ اس نے جو سمجھا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے علامت اور نشان سے سمجھا۔ اس گروہِ صوفیاء کا کہنا ہے کہ کشف

دو ہیں کشفِ روحی اور کشفِ الٰہی۔ کشف روحی میں جب روحی تجلی ہوئی تو اس میں مخلوقی اور محدثی علامتیں پائیں اور تمیز کریں کہ یہ کشف روحی ہے لیکن کشفِ الٰہی میں مخلوق اور محدث کی جو علامت ہو جو کچھ اور جس طرح کا شبہ مخلوق اور محدث میں ہوتا ہے اس کا کوئی اثر بھی اس میں نہ پائیں تو سمجھ لیں کہ یہ کشفِ الٰہی ہے۔ جس مقدار میں کشفِ الٰہی کو سمجھیں گے علامات اور نشانیوں کے ذریعہ ہی سمجھیں گے، اس سے الگ نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کسی نہ کسی طور پر خوف باقی ہے، خوف ختم نہیں ہوتا ہے۔

خواجہ محمود کے بھتیجے تاج الدین نے دریافت کیا خدائے تعالیٰ کو بھی کسی نے خواب میں دیکھا ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہزاروں جگہ منقول ہے کہ انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے اور تم پوچھتے ہو کسی نے دیکھا ہے؟

شبہا کہ بی تو ام شب گور است در خیال ☆ ور بی تو بامداد کنم روزِ محشر است

ابلہ بہ قیامت طلبید عزت و شادی ☆ عاقل نہ کند نقد مبدل بہ نسیہہ

(وہ راتیں جو آپ کے بغیر گذرتی ہیں قبر کی رات جیسی ہوتی ہیں،

اور وہ صبح جو آپ کے بغیر نمودار ہوتا ہے میرے لئے روز محشر ہے،

قیامت میں عزت وخوشی کی طلب رکھنے والے بے وقوف ہیں

اس لئے کہ عقل منداد ھار پر معاملہ نہیں کرتے)

پھر ارشاد ہوا کہ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کچھ لوگوں کا قول ہے کہ خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا جائز نہیں ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جائز ہے۔

اس کے بعد عرض کیا دنیا میں کوئی بیداری کی حالت میں خدا کو دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ دنیا میں جو رویت نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رویت کے بعد بقا ہے فنا جائز نہیں ہے۔ دنیا دارِ فنا ہے اور دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ فنا ہونے والی ہے اگر دنیا میں رویت ہوتی تو فنا کو قبول نہیں کرسکتی اور یہ کیسے درست ہوسکتا ہے اس لئے کہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس کا فنا ہونا قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بنگال میں امیر فاضل بلخی سے میں نے سنا تھا یہ امیر فاضل بلخی سرخیل بلخیان، بڑے زبردست مفسر اور محدث ہوئے ہیں، تفسیر بہت اچھی بیان کرتے تھے ایک بار منبر پر تفسیر بیان کررہے تھے جب رویت کی آیت آئی اور یہ مسئلہ آیا کہ دنیا میں رویت ہے یا نہیں تو انہوں نے کہا نہیں رویت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا دارِ فنا ہے، رویت کے بعد بقا ہے فنا جائز نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی دنیا میں ہے وہ فنا ہونے والی ہے اس لئے نہیں دیکھ سکتے۔ مع انہٗ جائز الرویت اس بارے میں قطعی ہے۔

نہ راہ شدن نہ روئے دیدن ✵ معشوق ملول و ما گرفتار

آں شد کہ زوصل تو زدم لاف ✵ اکنوں من و پشت و دستِ دیوار

(نہ تو فرار کا راستہ ہے نہ رُخِ انور کی زیارت نصیب ہے

معشوق اگر رنج وملال کی کیفیت میں ہے تو میں بھی دیدار کی تڑپ میں گرفتار ہوں،

اب تو یہ حال ہے کہ آپ کے وصل پر کچھ بولنا بھی فضول گوئی سمجھی جاتی ہے،

اسی لئے اب میں ہوں میری پیٹھ ہے اور دیوار کا سہارا ہے)

خاکسار نے عرض کیا کہتے ہیں کہ بلغار میں عشاء کی نماز نہیں ہے بلکہ غروبی اور طلوعی ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس شہر کے لوگوں نے اس مسئلہ کو فتویٰ کے لئے بخارا بھیجا تھا۔ بخارا کے ائمہ جمع ہوئے اور انہوں نے کہا پانچ نمازیں فرض ہیں چار کون ادا کرسکتا ہے، اس مسئلے پر سب آپس میں گفتگو کرنے لگے آخر میں اس بات پر متفق ہوئے کہ اگرچہ پانچ نمازیں فرض ہیں لیکن وقت کے واجب ہونے کے سبب ہیں اور اگر یہ نہیں ہے تو نماز بھی واجب نہیں ہوگی، ان لوگوں کے حق میں وہی چار نمازیں ہوں گی۔

خاکسار نے گذراش کی کیا یہ صحیح ہے کہ وہ ایسا ہی شہر ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! یہاں تک کہ تفسیر معظم و مکرم میں بھی آیا ہے۔

خاکسار نے دریافت کیا اگر کوئی اعتکاف میں ہے اور وہ کسی پیشہ سے تعلق رکھتا ہے، تو معاش کی ترتیب کے لئے اس پیشے میں مشغول ہونا جائز ہوگا یا نہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مسجد کے اندر پیشہ میں مشغول ہونا جائز نہیں ہے چونکہ مسجد میں بیع و شری (خرید و فروخت) جائز نہیں ہے اس لئے اسی پر قیاس کرنا چاہئے لیکن خرید و فروخت کے سامان کو مہیا (موجود) کئے بغیر معتکف کو اعتکاف کی ضرورت کے لئے مباح قرار دیا گیا ہے اس بنا پر معتکف کا کسب اور پیشہ میں مشغول ہونا اعتکاف کی ضرورت سے جائز ہوا بقدر ضرورت [۱۲] جس طرح کھانا پینا مسجد میں مکروہ ہے لیکن معتکف کے لئے جائز ہے اور اس میں کراہیت بھی نہیں ہے اسی پر قیاس کرنا چاہئے کہ اعتکاف کی حالت میں حرفت (پیشہ) میں مشغول ہونا جائز ہے۔

پھر خاکسار نے سوال کیا اعتکاف سنت موکدہ ہے اس کا ترک کرنے والا ماخوذ ہوگا یا نہیں؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سنت موکدہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ماخوذ فرض و واجبات میں ہے۔ ہاں! سنت موکدہ وجوب کے قریب ہے اور مطلق سنت میں عتاب ہے اور سنت موکدہ کے ترک میں اس کی مناسبت سے پکڑ کے علاوہ عتاب بھی ہے۔ اسی درمیان خواجہ ظہیر الدین نے کہا کہ مولانا وحید الدین ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف مین بیٹھتے تھے اور کہتے تھے کہ جس وقت میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرف ارادت سے مشرف ہوا اپنے وظائف (یعنی معمولات) کے لئے عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ میں ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھتا ہوں، حضرت شیخ نے فرمایا مولانا! میرے مریدوں میں سے کوئی نہیں بیٹھتا۔ پھر انہوں نے کہا مجھے ہر سال بیٹھنا میسر ہوتا ہے اس کے بعد حضرت شیخؒ نے فرمایا ایسا ہی چاہیے۔

اسی درمیان خاکسار نے عرض کیا کہ جب اعتکاف سنت موکدہ ہے تو کیوں نہیں بیٹھتے۔ حضرت شیخؒ کے جواب سے عدم رضا کا گمان ہوتا ہے اسے کس معنی میں محمول کریں گے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ حضرت شیخ اس میں کوئی آفت اور بلا دیکھتے ہوں۔ اس لئے ان لوگوں کو حکم نہیں دیتے تھے اور بہت سارے فرائض و واجبات ایسے اہم ہیں جن کی بجا آوری اعتکاف میں نہیں ہو سکتی۔ سنت موکدہ اس حیثیت سے کہ وہ ایک سنت ہی ہے نفل کے درجہ میں ہے اور اشغال ہیں اِس میں مشغول ہوں یا اُس میں مشغول ہوں۔ واللہ اعلم

مجلس - ۳۰

آستانہ کی زمین بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ شیخ معزالدین نے عرض کیا تفکر کو جب تمام نفل عبادتوں پر فضیلت حاصل ہے تو کیا تفکر نفل نماز سے بھی افضل ہے اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے اس لئے کہ نماز میں خود تفکر ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نماز میں تفکر ضمنی ہے اور میری گفتگو صرف تفکر سے ہے۔

پھر عرض کیا کہ نماز چند مخصوص ارکان وافعال پر مشتمل ہے او تسبیح و تہلیل، قرأتِ قرآن، حمدو ثناسب پر جامع ہے اس حیثیت سے مساوات یعنی برابری ہوگی، فضیلت کہاں سے ہوگی؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عبادات میں نفس عبادت ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کی تاثیر اوراس کے فوائد کا اعتبار ہے اور تفکر میں وہ تاثیرات ہیں جو نماز کے تمام ارکان وافعال کی ادائیگی میں ہیں۔ اسی لئے ایک ساعت کے تفکر میں سالک اتنی ساری مسافت طے کرلیتا ہے جتنی دوسرے ساٹھ سال کی عبادت میں کرتے ہیں۔ ایک لمحہ کے تفکر میں دونوں جہان سے گذر سکتا ہے، تفکر میں ایسی تاثیر ہے نماز اور روزے میں یہ تاثیر کہاں۔

ہر روندہ کجا رود چوں خضر
ہر تنے کئے چو مصطفیٰ باشد

(ہر چلنے والا خضر کی طرح کہاں چل سکتا ہے اور ہر ذات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جیسی کہاں ہوسکتی ہے)

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ہر چیز میں خاص تاثیر ہوتی ہے کمالات کے حصول کے لئے وہ تاثیر جو اس چیز کی ہے دوسری چیز میں نہیں پاسکتے۔ روزے کی تاثیر روزہ ہی میں

ملتی ہے۔ نماز کی جو تاثیر ہے وہ نماز ہی میں ملے گی۔ دوسری چیز میں نہیں پائیں گے اسی طرح تفکر میں بھی ایک خاص تاثیر ہے جو صرف تفکر میں حاصل ہوگی۔ تفکر کے علاوہ دوسری چیز میں نہیں پائیں گے۔

بگیر خرقۂ صوفی کہ زرق می نہ تانم
بیار بادۂ صافی کہ زہد می نہ فروشم

مجلس - ۳۱

زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مخدوم بزرگ حضرت پیر کبیر شیخ نجیب الحق والشرع والدین فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز کے بھانجا سید اوحد الدین مجلس میں حاضر تھے، مؤذن نے عصر کی نماز کے لئے اذان دی۔ اذان کے بعد انہوں نے دریافت کیا حضرت رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک سننے کے وقت ہر جگہ اور ہر شخص دونوں ہاتھ کے انگوٹھے کو آنکھوں پر رکھتے ہیں اور اس بارے میں حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس کی صحت کس طرح پر ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حدیث کی ان کتابوں میں جو اس علاقے میں معروف و معتبر ہیں یہ حدیث نگاہ سے نہیں گذری ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے علاقہ کے علماء ایسا نہیں کرتے ہیں اور اگر کسی کو ایسا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو منع بھی نہیں کرتے اس لئے کہ شاید کسی کو اس کی صحت کے بارے میں کوئی حدیث نظر سے گذری ہو یا اس نے سنا ہو۔ ہاں! قصے کے طور پر آیا ہے اور اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اس کی صحت پر اس قصہ سے دلیل قائم کی

جا سکتی ہے اور وہ قصہ یہ ہے کہ ایک بار آدم علیہ السلام کو فرمان آیا کہ میں آپ کی پشت سے ایک ایسے فرزند کو پیدا کروں گا جن کے لئے یہ اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیا ہے اور یہ آپ کے اسی فرزند کی محبت میں پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تمام خوبیاں آدم علیہ السلام سے بیان کیں۔ اس وقت آدم علیہ السلام کے دل میں اپنے اس فرزند کو دیکھنے کی تمنا پیدا ہوئی۔ فرمان خداوندی آیا کہ میرا یہ حکم (فیصلہ) ہے کہ ان کو آخر زمانہ میں پیدا کروں گا، اس وقت اگر آپ کو دکھاؤں تو آپ کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں! ان کا نور اس وقت آپ کو دکھاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور ظاہر فرمایا آدم علیہ السلام نے اس کو دیکھا، بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں سے لگایا اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اس سے حدیث کی صحت ہو سکتی ہے۔

مجلس - ۳۲

قدم بوسی کی سعادت میسر ہوئی۔ خاکسار نے دریافت کیا زن وشو (میاں بیوی) کے درمیان ہبہ سے رجوع جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سات جگہوں میں ہبہ سے رجوع جائز نہیں ہے اور ممانعت کا یہ شعر پڑھا۔

موانع الرجوع فی فضل الھبہ

یا صاحبی حروف "دمع خزقہ"

پھر فرمایا "دمع خزقه" میں سات حروف ہیں ان سات [؎] جگہوں میں ہبہ سے رجوع منع ہے اس کے بعد ساتوں حروف کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ۔۔۔

دال = زیادت متصل

میم = موت احدہما

عین = عوض

خا = خروج عین از ملک موہوب کہ بالبیع او بالھبہ

زا = زوجیت

قاف = قرابت

ھا = ہلاکِ موہوب

واللہ اعلم

مجلس - ۳۳

زمیں بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ اُس وقت مجلس شریف میں قاضی منہاج الدین حاضر تھے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا آپ کی طرف لوگ زحمت (بیماریوں) سے محفوظ اور سلامت ہیں؟ اُس وقت شہر کے بہت سارے لوگ زحمت (یعنی بیماریوں) میں مبتلا تھے، قاضی منہاج الدین نے جواباً عرض کیا کہ زحمت یعنی بیماریوں سے تو محفوظ و مامون ہیں لیکن دوسری پریشانیاں لگی ہوئی ہیں۔ حضرت

مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ کہاں ختم ہوتی ہیں، قبر میں جانے تک باقی رہتی ہیں۔

زدوست طعنہ زدشمن جفا زگردوں جور

ازیں زیادہ مشقت کدام خواہد بود

(دوست کے طعنے دشمن کا ستم اور آسمان کا ظلم ان سے زیادہ اور کیا پریشانیاں ہو سکتی ہیں)

اس کے بعد ارشاد ہوا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝ [البلد/۴]

(بے شک ہم نے آدمی کو مشقت میں پیدا کیا) آدمی ہر وقت رنج و مصیبت میں ہے۔

پھر فرمایا کہ عذاب کی ماہیت (حقیقت) کے بارے میں یہ تحریر دیکھی ہے کہ عذاب ہے کیا؟ اکثر علماء کا قول ہے کہ العذابُ ما یشاقُ علی الانسان یعنی جس چیز سے نفس پر بار پڑتا ہو وہی عذاب ہے۔ اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں یہ قول ہے العذاب منع المطلوب عذاب مطلوب کے حاصل نہ ہونے کا نام ہے۔ اس کے بعد فرمایا سب کا ایک ایک مطلوب ہے۔ خواص، عوام، جوان، بوڑھے، امیر، غریب ہر کسی کا کوئی نہ کوئی مطلوب ہے کوئی شخص بھی خواہش اور مطلوب سے خالی نہیں اور اس کے مطلوب کا ملنا یعنی اس کی خواہش کا پورا ہونا اس کے ہاتھ میں نہیں ہے دراصل عذاب یہی ہے۔

رطب شیریں و دست از نخل کوتاہ ☆ زلال اندر میان و تشنہ محروم

کس نیست کہ از عشق تو خونابہ نہ زاید ☆ من نیز برانم کہ ہمہ خلق براں اند

(میٹھے میٹھے کھجور تو ہیں لیکن کھجور کے پیڑ تک یہ چھوٹا ہاتھ کہاں پہنچ سکتا ہے،

میٹھا پانی رہتے ہوئے بھی پیاسا محروم ہے

کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو آپ کے عشق میں خون کے آنسو نہ روئے

میں بھی اسی راستے پر ہوں جس پر دوسرے چل رہے ہیں)

اس کے بعد فرمایا کہ دنیاوی نعمتوں میں سب سے بڑا اور عظیم تر رتبہ بادشاہت کا ہے اور بادشاہوں کے لئے اتنے زیادہ مطلوب ہیں یعنی آرزو اور خواہشات ہیں کہ اتنا کسی کو بھی نہیں ہیں۔

مجلس - ۳۴

قدم بوسی کے شرف سے مشرف ہوا۔ قاضی خاں نے دریافت کیا کنواری لڑکیاں جو انتقال کرتی ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ان کے متعلق یہ حکم ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس کو عطا فرمادے گا۔ اس دنیا سے بعض عورتیں بغیر شوہر والی گئی ہیں اور بعض مرد بغیر بیوی والے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کنواری عورتوں کو غیر شادی شدہ مردوں میں جس کو چاہے گا دے دے گا۔

حاضرین میں سے کسی نے پوچھا جس عورت کے دو شوہر ہوئے ہیں ان کا کیا حکم ہے۔ ارشاد ہوا قیامت کے دن وہ آخری شوہر کے حوالے کی جائے گی۔

خاکسار نے دریافت کیا ام ولد (لونڈیوں کی اولاد) کے بارے میں کیا حکم ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ام ولد جواریہ میں سے ہے۔ قیامت کے دن جو حکم جواریہ کے لئے ہوگا وہی اس کے لئے ہوگا۔

عرض کیا ولدان اور غلمان میں فرق کیا گیا ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

ہاں! فرق کیا گیا ہے۔ ولدان وہ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے بہشت میں مومنوں کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے اور غلمان کفار کے وہ لڑکے ہیں جو بالغ ہونے سے قبل دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، ان کو بہشت میں مومنوں کی خدمت کے لئے مومنوں کو عطا فرمائیں گے۔ یہ ایک قول کے مطابق ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مشرکوں کے لڑکے کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کہاں رہیں گے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اعراف میں رہیں گے۔ اعراف بہشت اور دوزخ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ کفار کے لڑکے جو بالغ ہونے سے قبل دنیا سے رخصت ہوئے ہیں وہ سب اعراف ہی میں رہیں گے لیکن وہ قول جسے اختیار کیا گیا ہے اور زیادہ تر علماء کا اس پر اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ ان لڑکوں کو بہشت میں رکھیں گے اور مومنوں کی خدمت کے لئے ان کو عطا فرمائیں گے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جو اعراف کے قائل ہیں انہوں نے اس کی خوب وجہ بیان کی ہے کہ بہشت کے لئے ایمان ضروری ہے اور ایمان سے وہ محروم ہیں، دوزخ کے لئے کفر درکار ہے اور کفر بھی ان کے اندر نہیں۔ اس لئے وہ اعراف میں رہیں گے جہاں نہ بہشت کی راحت ہے اور نہ دوزخ کا عذاب ہے۔

حسام الدین امام بیت خان نے دریافت کیا اس حدیث من تواضع الغنی لغنائه ذهب ثلثان دینه کا معنی کیا ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے کسی مالدار کی تواضع اس کے دولت کے سبب کی تو اس کے دین کا دو تہائی حصہ چلا گیا۔ یہاں پر دو ثلث دین کی قید کیوں لگائی گئی اور اس کا کیا فائدہ؟ دو ثلث دین کی قید کا فائدہ (مطلب) یہ

ہے کہ دین کا قیام تین ارکان پر ہے۔ دل زبان اور جوارح جس وقت کوئی تواضع کرے گا اس وقت ہاتھ پاؤں سے تواضع میں مشغول ہوگا۔ زبان مدح وثنا اور معذرت پیش کرنے میں لگ جائے گی اس وجہ سے دو تہائی دین جاتا رہا اور ایک تہائی باقی رہ گیا اور وہ دل ہے۔

اسی درمیان دین کے بارے میں گفتگو ہونے لگی کہ دین کس کو کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پیغمبر علیہم السلام کے فرمان کو قبول کرنا دین ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کو وحی کہتے ہیں۔ پیغمبروں کے ذریعہ اس وحی کو بیان کرنا دعوت ہے۔ اس کے سامنے گردن جھکانا یعنی اسے تسلیم کرنا اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو شریعت کہتے ہیں۔ دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے اور یہ سب جو کچھ میں نے کہا اس کو لازم کرلینا دین ہے۔ جس نے ان سب کو لازم کرلیا یعنی اس کی پابندی کی اس کو کامل کہتے ہیں اس لئے کہ اس کا دین کامل ہے اور جس کا دین کامل ہے وہ خود بھی کامل ہے۔ اس لئے کہ آدمی کا کمال اس کے دین کے کمال سے ہے اور جس کے دین میں خلل ہے اس کے دین میں نقصان وکمی ہے اور دین کے نقصان کی وجہ سے عقوبت (یعنی پکڑ اور سزا) جائز ہے۔

مجلس - ۳۵

آستانہ عالیہ کی زمیں بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ معز الدین نے عرض کیا اگر کوئی شخص کسی ایک مجتہد کے قول پر عمل کرتا ہے اور دوسرے مجتہد کا قول اس مجتہد کے قول کے خلاف ہے تو ایسے موقع میں کیا کرنا چاہیے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسے موقع

میں احتیاط واجب ہے۔اس طرح عمل کرے کہ دونوں کے قول کی موافقت ہو جائے۔اس لئے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک مجتہد کے قول پر عمل کرتا ہے (یعنی وہ اس مجتہد کا مقلد ہے) تو قیامت کے دن اس (مقلد) کے حق پر ہونے کی دلیل جائز اور صحیح ہوگی۔جس طرح اس (مقلد) کے حق پر ہونے کے لئے اس (مجتہد) کا قول دلیل ہوگا اسی طرح جائز ہے کہ کل قیامت کے دن دوسرے (مجتہد) کا قول حق پر ہونے کے لئے دلیل ہوگا۔مثلاً سر کے مسح کو لیجئے امام اعظمؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے تو ایسی صورت میں احتیاط واجب ہے یعنی (امام اعظمؒ کا مقلد) پورے سر کا مسح کرلے تو دونوں کے قول پر عمل ہو جائے گا۔

اسی درمیان شیخ معزالدین نے سوال کیا ہر شخص اپنے اپنے مذہب (عقیدہ) پر عمل کرتا ہے جس نے کسی ایک مذہب (عقیدہ) کو اختیار کرلیا تو جو اس مذہب میں ہے اسی پر عمل کرے گا؟ ارشاد ہوا کہ اکثر صاحب مذہب اس کے قائل ہیں کہ عبادات میں احتیاط واجب ہے اور دوسری بات یہ کہ حق تو ایک ہی ہے یوں سمجھئے کہ کسی ایک مذہب کے پیرو کا اعتقاد ہے کہ ہمارا عقیدہ درست ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ احتمال خطا بھی ہے اسی طرح دوسرے مذہب کے بارے میں جانتا ہے کہ خطا ہے لیکن درست ہونے کا احتمال بھی ہے تو ایسی صورت میں احتیاط واجب ہے تو اس طرح عمل کرے کہ دونوں کے قول پر عمل ہو جائے۔اگر کسی مسئلہ میں قیامت کے دن امام مالکؒ کے قول کے درست ہونے پر حکم ہوا اور امام اعظمؒ نے جو فرمایا وہ صحیح نہ ہو تو (مقلد) اپنی ذمہ داری سے مطلقاً عہدہ برا نہ ہوگا۔پس حقیقتاً ذمہ داری سے اس وقت عہدہ برا ہوگا کہ کل قیامت کے دن شرع

کے رو سے اس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور عبادات میں یہ اسی وقت ہوگا کہ وہ (مقلد) اس طرح معمل ہو کہ جملہ اقوال پر اس کا عمل ہو جائے۔

شیخ معزالدین نے پھر عرض کیا بعض جگہ پورے سر کے مسح کو متحب لکھا ہے اور احتیاط کی بنیاد پر واجب ہونا لازم آتا ہے ایسی صورت میں واجب لکھنا چاہئے تھا۔ ارشاد ہوا کہ در حقیقت عبادات کے باب میں احتیاط واجب ہے اور یہ ثابت بھی ہے۔ ہر مذہب والے اسی کے قائل ہیں لیکن جن لوگوں نے متحب لکھا ہے انہوں نے اپنے مذہب (عقیدہ) کو بیان کیا ہے کہ میرے مذہب میں پورے سر کا مسح متحب ہے۔

اس کے بعد عرض کیا ایسا کیوں ہے کہ علمائے دنیا نے اس (احتیاط) کو ترک کر دیا ہے اور اس کے قریب بھی نہیں جاتے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علمائے ظاہر کو دین کا غم کہاں ہے۔ ان سے تو یہ غم دین بہت دور جا چکا ہے۔ وہ تو جاہ و منزلت کے غم میں گرفتار ہیں لیکن مشائخ اور علمائے آخرت کو یہ غم ہر وقت دامن گیر ہے کہ میں نے کیا کیا اور کس طرح کیا۔ یہ قانون اور یہ طریقہ تو مشائخ کا ہے کہ اس طرح معمل ہو کہ تمام اقوال پر عمل ہو جائے۔

مشائخ کے نزدیک یہاں تک (احتیاط) ہے کہ اگر کوئی وضو کے بعد ذکر (اعضائے تناسل) کو چھولے تو وضو ساقط ہو جاتا ہے پھر دوبارہ وضو کرنا چاہیے۔

اس موقع پر خاکسار نے سوال کیا امام کے پیچھے مقتدی کے سورہ فاتحہ پڑھنے میں وعید ہے، یہاں پر کیا کیا جائے؟ ارشاد ہوا (مقتدی بھی) سورہ فاتحہ کی قرأت کرے، مشائخ ایسا ہی کرتے ہیں اور اس بارے میں جو وعید آئی ہے کہ من قراء خلف الامام ففی

فمه الكشك (جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کا منھ ترش ہو) احتمال ہے کہ اس قرأۃ سے سورہ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورہ کا ملانا مراد ہو لیکن یقین کے ساتھ یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مطلق قرأۃ مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہر مجتہد (یعنی امام) کا اپنے اجتہاد پر کام کرنا فرض ہے لیکن احتیاط کے باب میں مجتہد کے لئے بھی یہی ہوگا کہ اس طریقہ پر عمل کرے کہ اس کے اپنے اجتہاد اور دوسرے مجتہد کے اجتہاد پر عمل ہو جائے۔ ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع کرلیا اور دوسرے کے اجتہاد کی پیروی کی۔ اس لئے کہ ان کی نظر شرع کے اس حکم پر ہے کہ احتیاط عبادات کے باب میں واجب ہے اسی نقطۂ نظر سے انہوں نے دونوں اجتہاد کو جمع کیا ہے ایسا نہیں کہ اپنے اجتہاد سے رجوع کرلیا یا دوسرے مجتہد کی تقلید کی ہے۔ (عبادات کے) عمل میں مجتہد اور غیر مجتہد دونوں برابر ہیں۔

مجلس - ۳۶

قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے دریافت کیا آج روز استفتاح ہے اسے استفتاح کیوں کہتے ہیں؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا معتبر کتابوں میں کہیں نظر سے نہیں گذرا ہے ہاں! بطور قصہ لکھتے ہیں کہ کسی شہر میں مریم نامی ایک عورت تھی اس کا لڑکا غائب ہوگیا اور کسی دوسرے شہر کے بادشاہ کی قید میں گرفتار ہوگیا تھا۔ اس کی ماں (یعنی مریم) اپنے بیٹے کی جدائی میں ہر وقت روتی رہتی۔ اس شہر

میں ایک بزرگ بھی تشریف فرما تھے، وہ عورت اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنا حال بیان کیا، اتفاق سے وہ رجب کا مہینہ تھا۔ اس بزرگ نے فرمایا دو تین دن میں یا پندرہویں رجب کو وہ چھوٹ جائے گا، اس دن روزہ رکھنا اور اس دعا کو جسے استفتاح کہتے ہیں پڑھنا۔ عورت نے اپنے گم شدہ لڑکے کی واپسی کی نیت سے ایسا ہی کیا اور اتفاقاً جس وقت اس عورت نے اس دعا کو ختم کیا اسی ساعت اس لڑکے کو رہائی مل گئی۔ اس شہر میں جہاں یہ لڑکا بادشاہ کی قید میں اسیر تھا بادشاہ نے ٹھیک اسی وقت اس کو قید خانے سے باہر نکالا اور اس نے قید سے رہائی پائی چند دنوں کے بعد اپنے ماں کے پاس حاضر آیا، ماں نے اس سے رہائی کی تاریخ اور وقت کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ پندرہویں رجب تھی اور فلاں وقت تھا۔ اس کی ماں نے کہا میں نے ٹھیک اسی وقت دعا کو مکمل کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کو روزہ مریم بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں۔ اس قصے میں اسی طرح آیا ہے لیکن معتبر کتابوں اور حدیثوں میں نگاہ سے نہیں گذرا ہے، مشائخ نے اوراد و وظائف کی جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان مین بھی یہ دعا موجود نہیں ہے۔ مشائخ کی قابل اعتماد کتابوں میں ''قوت القلوب'' ہے اس پر تمام مشائخ کا اعتماد ہے سب کے نزدیک مقبول ہے اس کے مصنف خواجہ ابو طالب مکیؒ ایک دانشمند اور بزرگ گذرے ہیں یہ عہد رسول ﷺ سے قریب تھے اسی وجہ سے اس کتاب پر سب کو اعتبار ہے۔ مشائخ نے اوراد کی جو کتاب بھی لکھی ہے اس میں قوت القلوب کا حوالہ دیتے ہوئے یہ ضرور لکھا ہے کہ یہ دعا قوت القلوب میں موجود ہے اگر کسی کو شبہ ہو تو اس میں دیکھ لے۔ کہنا یہ ہے کہ قوت القلوب جیسی معتبر کتاب میں بھی یہ دعا نہیں ہے۔ اور ''ریاحین'' جس میں مواسم کی نمازیں اور دعائیں آئی ہیں اس میں بھی یہ نہیں ہے۔

شب معراج کا ذکر آگیا کہ کس رات میں ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رجب کی شب ستائیس کو شب معراج ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا اس میں تو اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ شب ستائیس نہیں ہے بلکہ کوئی دوسری رات ہے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ اختلاف ہے لیکن مشہور قول یہی ہے کہ شب ستائیس کو شب قدر ہے اسی قول کو شہرت حاصل ہے۔

ایں کام و دہن ولب و دندان کہ تو داری

عیش است ولے تاز برائے کہ مہیاست

(مانتا ہوں کہ آپ کے جو یہ حسین دانت، خوبصورت لب اور یہ کام و دہن ہیں وہ سامان عیش ضرور ہیں لیکن یہ تو بتائیے کہ آخر یہ کس کے لئے مہیا کئے گئے ہیں)

مجلس شریف میں مفتری (جھوٹی) حدیثوں کا تذکرہ ہونے لگا، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فن حدیث بڑا مشکل فن ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے روایت کئے ہوئے سات سو برس کا زمانہ گذر گیا، حضور ﷺ نے جس طرح فرمایا ہے اس کو اسی طرح بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے، جو باتیں کل ہوئی ہیں اُن کو اگر آج بیان کیا جاتا ہے تو اس میں اختلاف اور فرق پیدا ہو جاتا ہے پھر سات سو برس کی بات کو اسی طرح آج کیسے بیان کیا جا سکتا ہے اس دنیا میں کتنے سارے مذاہب قائم ہو گئے یہ کون جانے۔ ہر شخص اپنی بات کو باوزن بنانے کے لئے اپنی گفتگو اور اپنی عبارت میں قال رسول اللہ لگا دیتا ہے۔ امام ابو یوسف قاضی سے منقول ہے کہ ان کو بارہ ہزار مفتری حدیثیں یاد تھیں۔

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا دہلی میں ایک محدث آئے تھے وہ کہتے تھے کہ "مشکوٰۃ اور ھدایہ" میں مفتری حدیثیں بہت ہیں۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تفسیر میں ہر سورہ کے پہلے ایک حدیث آئی ہے کہ جو اس سورہ کو پڑھے گا اسے یہ فائدہ ہوگا اس طرح کی حدیثیں مفتری حدیثیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ مفتری حدیثوں کی شناخت اس طرح ہوتی ہے کہ جو تاثیریں اس کے پڑھنے سے متعلق بیان کی گئی ہیں وہ حاصل نہیں ہوتیں مثلاً کسی سورہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جو اس سورہ کو پڑھے گا اس کی ہزار حاجتیں پوری ہوں گی لیکن ان میں سے ایک بھی پوری نہیں ہوئی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفتری ہے۔ واللہ اعلم

مجلس شریف میں دل کی سختی کے علاج کا ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا دل کی سختی کے علاج کے سلسلے میں یہ بتایا گیا ہے کہ قبرستان کی طرف دیکھنا چاہئے جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک اعرابی پہنچے اور سختیٔ دل پر رونے لگے، اپنا حال بیان کیا، حضور ﷺ نے فرمایا قبرستان کی طرف دیکھا کرو اس لئے جس کو دل کی سختی ہو وہ قبرستان کی طرف دیکھے اور پورے اعتبار کے ساتھ دیکھے (یعنی اس سے عبرت حاصل کرے) جس طرح حیوان دیکھتے ہیں اس طرح نہیں دیکھے۔

ہر کہ با صورت و بالائے تو اش آتش نیست

حیوان است کہ بالاش بہ انساں ماند

[نوٹ: خوان پر نعمت کے ایک مخطوطے میں یہ شعر قدرے فرق کے ساتھ اس طرح ہے۔۔۔ مترجم۔

ہر کہ با صورت و بالائے تو اش انسے نیست ☆ حیوان است کہ بالاش بہ انساں ماند

(جس کو بھی آپ کی صورت اور آپ کے قد و قامت سے الفت اور انس نہیں ہے وہ انسان نما حیوان ہے)]

سختیٔ دل کو دور کرنے کی دوسری ترکیب گناہوں کا ترک ہے اس لئے کہ دل کی سختی گناہوں سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد دل کی نرمی کی تمیز بتائی گئی۔ فرمایا کہ گریہ

(رونا) نرمیٔ دل کی علامت ہے اور عبادت میں اگر لذت پیدا ہو تو یہ بھی نرمیٔ دل کی پہچان ہے۔ اگر وعظ اور نصیحت کی باتیں سنے تو اسے دل میں جگہ دے، اور اس پر عمل کرے، مخلوق پر شفقت رکھے، گناہوں سے ڈرتا رہے اور یہ ساری باتیں نرمیٔ دل کی علامتیں ہیں۔

حضرت شیخ کبیر نجیب الحق والشرع والدین فردوسی علیہ الرحمہ کے بھانجا سید اوحدالدین مجلس شریف میں حاضر تھے انہوں نے سوال کیا کہ مردوں کے ایصال ثواب کے لئے کھانا دینا بہتر ہے یا نقد روپیہ؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نقد دینا بہتر ہے اس لئے کہ محتاجوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کی حاجت روائی کے لئے درم و دینار زیادہ نفع بخش ہے۔ جب نقد دیا جائے گا تو وہ اپنی مرضی سے خرچ کریں گے۔ اسی کے برعکس کھانا دینا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ سیر ہو اس کا پیٹ بھرا ہو اور وہ کھائے نہیں۔ دوسری بات یہ کہ درم و دینار نفس کا محبوب اور مقصود ہے اور نفس کا تمام مقصود و مراد درم و دینار سے وابستہ ہے ایسی صورت میں نقد دینے سے نفس پر بوجھ پڑے گا۔ نفس کا توڑنا اور اس کی تنبیہ پورے طور پر حاصل ہوگی۔ اکثر بزرگوں نے مجاہدہ اور ریاضت کے لئے خود کو بدنی عبادت میں لگایا ہے اور جہاں تک ہوسکا بدنی عبادت کی لیکن ان کو کشائش حاصل نہیں ہوئی۔ جب عاجز آگئے تو اپنے کو مالی عبادت میں لگایا۔ مالی عبادت اختیار کی۔ یعنی لوگوں کو دینا شروع کیا تو ان کو کشائش حاصل ہوگئی۔

بگیر جامۂ صوفی بیار جام شراب

کہ نیک نامی و مستی بہم نہ آویزند

(صوفیانہ لباس اختیار کرلو اور شراب کا پیالہ لے کر آؤ

یہ دونوں کام ایک ساتھ کرنا اس لئے مشکل ہے کہ نیک نامی اور مستی یکجا نہیں ہوسکتی)

مجلس - ۳۷

شرف زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ زیارت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے خواجہ محمود عوض کے باغ میں آئے۔ ایک درخت کے نیچے چبوترہ تھا وہیں جلوہ افروز ہو گئے۔ جب خواجہ محمود کو خبر ہوئی تو اپنے احباب کے ساتھ اسی وقت یہاں پہونچے اور قدم بوس ہوئے۔ کچھ دیر میں شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے شیخ رستم اور شیخ وحید الدین بھی آگئے اور سرکاری عملوں میں سے چند حکام بھی پہونچ گئے مغرب کی نماز تک یہیں رونق افروز رہے۔ اس روز خاکسار کے گوش قاصر اور فہم رکیک نے جو کچھ سنا ان کو تحریری شکل دے دی۔

حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ کا ذکر آگیا جس کو حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے اس ملفوظ کی ابتدا ہی میں ہے کہ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہی خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میں نے تم کو خدا تک پہونچا دیا۔

خواجہ محمود نے سوال کیا کہ کوئی بزرگ کسی کو خدا تک پہنچا دیں اس قول کا کیا مطلب ہے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ سب سے پہلے وصول کا معنی جاننا چاہئے۔ گروہ صوفیہ کی اصطلاح میں وصول کسے کہتے ہیں اور لغت کے اعتبار سے کس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی کو جاننے کے بعد ہی اس قول کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ وصول کا لغوی معنی دو جسم یا دو جوہر کا آپس میں ملنا ہے اور یہ بندہ اور خدا کے لئے جائز

نہیں ۔ گروہ صوفیا کی اصطلاح میں غیر حق سے منقطع ہونے اور حق سے متصل ہونے کو وصول کہتے ہیں دل جس مقدار میں غیر حق سے منقطع ہوگا اسی مقدار میں اللہ سے متصل ہوگا۔ اگر کسی کے دل کی مشغولی اللہ کے ساتھ ہے تو یہ کافی ہے ایسے ہی شخص کو واصل یعنی اللہ تک پہونچا ہوا کہیں گے یعنی غیر اللہ سے الگ ہو کر اللہ سے اس حد تک مل گیا کہ اس کی پوری مشغولیت اللہ کے ساتھ ہوگئی ۔ جس کو غیر حق سے منقطع ہونے میں کمال حاصل ہوگا اسی کو اللہ تک پہنچنے میں کمال حاصل ہوگا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ جس کو انفصال نہیں اس کو اتصال نہیں ۔ بزرگوں کا فرمان ہے کہ الوضوء انفصال والصلوۃ اتصال غیر حق سے الگ ہو جانا وضو ہے اور اللہ تک پہونچنا نماز ہے۔

نام سرننگ و نام داریم
در دل غم تو حرام داریم

. انفصال اور اتصال کے اس کمال میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سب سے آگے ہیں، دنیا اور آخرت دونوں چیزیں آپ کے سامنے پیش کی گئیں لیکن کسی کی طرف نگاہ نہیں کی چونکہ دونوں کو ٹھکرا دیا اس لئے کمالِ وصل حاصل ہوا۔

ہیچ مصلح بکوئے عشق نہ شد
کون دنیا و آخرت درباخت

(عشق کی گلی میں کسی بھی مصلح کی گذر نہیں دنیا اور آخرت کو ہار جانا کمال ہے)

یہاں تک کہ شب معراج میں کون و مکاں سے گذر گئے یہ مقام اور دوسرے انبیائے کرام کو حاصل نہیں ہوا کہ کون و مکاں سے گذارے گئے ہوں ۔ اگر حضرت محمد رسول

اللہ ﷺ کو غیر حق کے ساتھ تھوڑی مشغولیت بھی رہتی تو یہ کمال وصل حاصل نہیں ہوتا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ حضور ﷺ کو کمال انقطاع حاصل تھا اور یہ کمال کسی دوسرے نبی یا ولی کو حاصل نہیں آپ ﷺ نے اسی مقام سے لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ لَا یسعنی فِیهِ مَلَكٌ مقرب ولا نبی مرسل (میرے لئے اللہ کے ساتھ خاص وقت مقرر ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گذر ہے اور نہ کسی نبیؑ مرسل کی) فرمایا۔

پھر حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان کہ تم کو خدا تک پہنچا دیا اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ نے حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر تصرف کیا، ان کے دل میں غیر حق کے ساتھ جو تعلق تھا اسے دور فرما دیا اور اللہ کے ساتھ مشغول کر دیا۔ یہی اللہ تک پہونچانا ہوا۔ اللہ کی مملکت میں اولیاء صاحب تصرف ہوتے ہیں جو کچھ چاہتے ہیں اللہ کی مملکت میں تصرف کرتے ہیں، اللہ کی مملکت میں ان کے لئے تصرف جائز ہے۔ شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر اپنی ولایت کی قوت سے تصرف کیا یہاں تک کہ ان کو غیر خدا سے پاک کر کے خدا کے ساتھ مشغول کر دیا اسی کو گردش کہتے ہیں یعنی جو حالت پہلے تھی وہ بدل گئی جو بت پرست تھا وہ خدا پرست ہو گیا، جو شیطان تھا وہ آدمی بن گیا، جو تانبا تھا وہ سونا ہو گیا اسی طرح اور دوسری صفتوں کو سمجھا جائے۔

پیری اور شیخی کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی مملکت میں تصرف حاصل ہو جس کو یہ صفت حاصل نہیں وہ شیخی کے لائق نہیں، کسی کو دنیا دے دیں، کسی کو آخرت عطا کر دیں، کسی کو دونوں دے دیں، کسی کو مقبول بنا لیں، کسی کو مردود کر دیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی مملکت میں تصرف ہی تو ہے، جو چاہتے ہیں وہ ہوتا ہے۔

یہاں پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ یہ صفت تو خدا کی ہے کہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے بندہ کی یہ صفت نہیں کہ جو چاہے وہ ہو جائے۔ اس شبہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ وہی چاہتے ہیں جو اللہ کا ارادہ ہوتا ہے اور اللہ کا ارادہ تو ہو کر رہتا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ لوگ جو چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔

یہاں پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حضرات اللہ کے ارادے کو کیسے معلوم کر لیتے ہیں اس کا جواب یہی ہے کہ ان کو جو نور ولایت حاصل ہے اسی کے ذریعہ اللہ کے ارادے کو جانتے ہیں اور پھر اس کے ارادے کے مطابق کام کرتے ہیں، ایسی بات نہیں کہ اپنی مرضی سے جو چاہیں وہی ہو جائے۔

هرگز وجود حاضر و غائب شنیده
من درمیان جمع و دلم جائے دیگر است

(حاضر و غائب کے وجود کی بات نہ کی جائے میں مقام جمع میں ہوں اور میرا دل کہیں اور ہے)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شیطان کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کر اس سلسلے میں بعض ارباب معانی مثلاً حضرت عین القضاۃ وغیرہ کہتے ہیں کہ سجدے کا حکم تو دیا گیا لیکن ارادہ یہ تھا کہ وہ سجدہ نہ کرے۔ شیطان کو اللہ کے ارادہ کی خبر ہوگئی۔ حکم کے خلاف تو کیا لیکن اس کا یہ فعل اللہ کے ارادہ کے مطابق ہوا۔ اگر وہ حکم پر عمل کرتا تو خام کار ہوتا اس لئے کہ محب کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ محبوب کے ارادہ کے خلاف کچھ کرے، محبت کا تقاضا اور قانون یہی ہے کہ محب محبوب کے ارادے کے مطابق کام کرے۔ محبوب کا حکم بھی ہوتا ہے اور اس کا ارادہ بھی ہوتا ہے، اگر محبوب نے محب کو اپنے ارادہ کے خلاف حکم دیا اور محب کو یہ معلوم ہو گیا

کہ محبوب کا ارادہ حکم کے برعکس ہے تو ایسی صورت میں محبت کا اصول یہ ہے کہ کام ارادہ کے مطابق اور حکم کے خلاف کرے اگر ارادہ کو ترک کیا اور حکم پر عمل کیا تو خامکار رہا۔

طعنۂ حسرت سعدی نہ بانصاف بود

کسی کہ روئے چنیں بیند و حیراں ماند

(سعدی کی حسرت کا طعنہ انصاف سے دور ہے اس لئے کہ جو بھی ایسے چہرے کو دیکھے گا وہ حیران ہو ہی جائے گا)

ارشاد فرمایا کہ یہاں پر بھی یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ محبت کا معمولی درجہ موافقت ہے اور حکم کے خلاف کرنے سے مخالفت لازم آتی ہے نہ کہ موافقت۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مخالفت ظاہری مخالفت ہے، معنوی اعتبار سے عین موافق ہے اس لئے کہ محبوب کے ارادے پر عمل کرنے کو مخالفت نہیں کہیں گے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو یہ کہے کہ میں تمہاری خدمت گزاری سے شرمندہ ہوں آئندہ سے میری خدمت نہ کرنا۔ باپ کے اس حکم کے باوجود بیٹا خدمت کو ترک نہیں کرتا حاضر رہتا ہے اور خدمت کرتا ہے تو ایسی صورت میں اسے عاق یعنی نافرمان بیٹا نہیں کہیں گے اس لئے کہ باپ کا ارادہ (خواہش) بیٹے کی خدمت سے ہے، ظاہراً تو بیٹے نے باپ کے حکم کے خلاف کیا ہے لیکن باطناً باپ کے ارادہ کے مطابق رہا ایسی صورت میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے باپ کی نافرمانی کی اور عاق ہو گیا۔

اس کے بعد حیرت و تعجب کے ساتھ فرمایا کہ شیاطین کی اس صفت پر جب بزرگوں کی نگاہ جاتی ہے تو حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ اے خدا! یہ کیا معاملہ ہے اور اس کو کیا کہیں گے کہ اس نے خود کو آخرت سے لگائے رکھا اور محبت کے احکام سے ذرہ برابر بھی

تجاوز نہیں کیا۔

ہر کس غم دین دارد و ہر کس غم دنیا

بعد از غم رویت غم بیہودہ خورانند

(ہر شخص دین کا بھی غم رکھتا ہے اور دنیا کا بھی لیکن آپ کے رخ انور کے غم یعنی عشق کے بعد سارا غم بیہودہ ہے)

محبت کے جتنے احکام مقرر کئے گئے ہیں ان کو جب شیطان کے اندر دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سچے مرید کو شیطان صفت ہونا چاہئے تا کہ اس سے کچھ کارنامہ انجام پا جائے۔ جس طرح اس نے محبوب کے ارادے کی مخالفت نہیں کی اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا اسی طرح مرید کو چاہئے کہ وہ صادق، بہادر، جانباز اور شیطان صفت ہو تا کہ اس سے کچھ کارنامہ انجام پا جائے۔ اگر اس نے درمیان میں اپنا وجود دیکھا تو اس سے کیا کام ہوگا؟ لازم ہے کہ محبت کے احکام میں سوئی کے نوک کے برابر بھی غفلت نہیں برتتے، اس کے بعد دوزخ میں ڈال دیں یا بہشت میں، رد کر دیں یا قبول کر لیں اس کو بس یہی چاہئے کہ اپنا کام محبت کے اصول پر کرتا جائے۔

مارا بجز تو در ہمہ عالم عزیز نیست

گر رد کنی بضاعت مارا و گر قبول

(سارے جہاں میں مجھ کو آپ کے علاوہ کوئی عزیز نہیں،
اگر آپ رد کر دیجئے یا قبول کر لیجئے یہ تو آپ کے اختیار میں ہے)

اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہتے ہیں کہ شیطان کو لعنت پر اتنا ہی فخر ہے جتنا کہ سارے عالم کو اللہ کی رحمت پر فخر ہے۔ لعنت پر فخر صرف اسی کو ہے اور رحمت پر فخر

سارے عالم کو ہے۔ اسی بنیاد پر کہتے ہیں کہ لعنت اور رحمت دونوں ہی محب کو محبوب ہے۔ محبوب کی جانب سے محب کو جو کچھ ملے خواہ رحمت ہو یا لعنت اس پر محب کو فخر ہوتا ہے۔ فرق عام ہے جب دونوں محبوب کی جانب سے ہے تو پھر کیا یہ اور کیا وہ۔ اگر لعنت کرتا ہے تو وہی اور رحمت فرماتا ہے تو وہی۔ اگر گالی دے تو وہی اور تعریف کرے تو وہی۔ جو کچھ ہو اسے محبوب کی جانب سے سمجھنا چاہئے۔ جوتا مارا جائے یا سر پر تاج رکھا جائے سب کو اسی کی جانب سے سمجھنا چاہئے۔ محبوب کی نشانی سیاہ کمبل ہو یا تسبیح۔

اے بے خبراں عقل نہ دارید کہ مستم
بے فائدہ باما سخن عقل چہ گوئید

(اے بے وقوفو! تم کو ذرا بھی عقل نہیں اور تم یہ بالکل ہی نہیں جانتے کہ میں مست ہوں جب میں مست ہوں تو پھر مجھ سے عقل کی باتیں کیوں کرتے ہو)

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ امام شبلیؒ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ بازی وہ (شیطان) لے گیا۔

دوست دارم کہ کسے دوست نہ دارد جز من
حیف باشد کہ تو در خاطر اغیار آئی

(میں اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں جو میرے علاوہ اور کسی سے دوستی نہیں کرتا یہ تو شرم کی بات ہے کہ تو غیروں کے دل میں اپنی جگہ بنائے)

یہاں پر شیخ رستم نے عرض کیا کہا جاتا ہے کہ خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کئی بار مخنثوں کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امام شبلیؒ کچھ دن غائب ہو گئے تھے

تلاش و جستجو سے بھی نہیں ملے، چند سال کے بعد دیکھا گیا کہ ہاتھوں میں مہندی لگائے، آنکھوں میں سرمہ ڈالے، خود کو مخنثوں کے طریقے پر آراستہ کئے ہوئے ان کی جماعت میں بیٹھے ہیں لوگوں نے پوچھا یا پیر طریقت! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں ظاہری شکل و صورت سے تو مرد ہوں لیکن مردوں کے جو کارنامے ہیں وہ مجھ میں نہیں اس لئے باطن میں نہ میں عورت ہوں اور نہ مرد ہی ہوں اور یہ صفت مخنثوں کی ہے لہذا میں اٹھ کر چلا آیا اور مخنثوں کی جماعت میں مل گیا۔

خاطر پے زہد و توبہ می رفت
عشق آمد و گفت زرق مفروش

(دل جیسے ہی زہد اور توبہ کی طرف جانے لگا اور مائل ہونے لگا،
عشق آیا اور اس نے کہا اس نیلی آنکھ کو کہاں بیچنے جا رہے ہو)

مولانا وحید الدین نے سوال کیا وَ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ (اور بے شک تجھ پر قیامت تک کے لئے میری لعنت ہے) اس میں يَوْمِ الدِّينِ یعنی قیامت تک کی قید لگائی گئی ہے اس کے بعد کا حکم کیا ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کچھ روزِ جزا سے وابستہ ہے وہی اس کے بعد بھی رہے گا اس سے مراد یہی ہے کہ شیطان پر ہمیشہ لعنت ہوتی رہے گی۔ اور امام زاہد کی تفسیر میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

قاضی اشرف الدین نے دریافت کیا کہ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ اس رب تعالیٰ نے جو کچھ مجھے حکم دیا میں نے تیس سال تک اس پر عمل کیا اب یہ حال ہے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ کرتا ہے۔ اس قول کے کیا معنی ہیں اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو اللہ کے اوامر کی اطاعت کرتا ہے اور نواہی سے محفوظ رہتا ہے اس کے لئے رضاء (خوشنودی) کا وعدہ ہے جس سے اللہ راضی ہوا وہ اللہ کے کرم سے ان احکام کو قبول کرتا ہے اور جس سے اللہ راضی نہیں وہ اس کے احکام کو قبول نہیں کرتا ہے ایسے شخص کے لئے نقصان اور تردد ہے۔ اور یہ سب جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے ارادے کے موافق ہوتا ہے اسی لئے کہا ہے کہ میں جو کہتا ہوں وہ کرتا ہے اور اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ [البقرہ ۴۰/] (اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا) کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے جس کو ابھی بیان کیا گیا۔ اس جملہ مَنْ كَانَ اللّٰه كَانَ اللّٰهُ لَهٗ (جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا) کا معنی بھی یہی ہے۔

روشنت گردد ایں حدیث چو روز

گرچہ سعدی شبے بہ پیمائی

(یہ بات روز روشن کی طرح تابناک ہے اگرچہ سعدی رات بھر جاگتا ہے تو اس سے کیا)

اس کے بعد فرمایا کہ اے بھائی اس گروہ کی دولت و نعمت ایسی ہے کہ وہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتی۔

حدیث شوق گر صد سال گویند

نباید گفت حرفے از کتابی

(شوق کی باتیں اگر سینکڑوں سال تک ہوتی رہیں تو کتاب شوق کا ایک حرف بھی ادا نہ ہو)

قاضی منہاج الدین اپنے لڑکوں کو لے کر حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کے لئے حاضر آئے، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے سب کو کلاہ پہنائی۔

خاکسار نے سوال کیا جب یہ دونوں بچے بڑے ہو جائیں گے تو پھر یہ بیعت ہوں گے اور مرید ہوں گے، یہی کافی ہوگا یا نہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں، یہ ابھی مکلف ومختار نہیں ہیں، اور اس کلاہ کی حیثیت تبرک کی ہے، ان بچوں میں رحمت و برکت کی زیادتی مقصود ہے، اگر بعد میں اس کو اختیار کرلیا اور اسی پر قائم رہے تو اس وقت یہی کافی ہوگا جس طرح ابھی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے پیر سے پایا ہے اسی طرح مکلف ومختار ہونے کے بعد بھی یہی کہیں کہ ہم نے اپنے پیر سے یہی پایا ہے۔

مجلس - ۳۸

حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ لیٹے ہوئے تھے اور حاضرین میں سے ایک شخص کھڑے ہو کر پنکھا جھل رہے تھے، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کچھ روز تک ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ باد کے لئے کوئی الگ جگہ ہے لیکن ایسی بات نہیں اب کتابوں میں دیکھا کہ یہی ہوا اگر متحرک ہے تو وہ باد ہے اور اگر ساکن ہے تو ہوا ہے لیکن اپنی انتہائی لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔

مجلس شریف میں اولیاء کی نظر کا تذکرہ آگیا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولیاء کی نظر مشرق سے مغرب تک بلکہ ساتوں آسمان، زمین، عرش، کرسی اور تحت الثریٰ تک دیکھتی ہے ان کی نگاہوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ عین القضاۃ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر یہ

ممکن ہوتا کہ کوئی چیز اللہ کے علم سے پوشیدہ ہوتی تو یہ بھی ممکن تھا کہ ان سالکین کے علم سے پوشیدہ ہوتی۔ اسی طرح تمام چیزوں میں جتنی چیزیں سننے کی ہیں وہ سب یہ سنتے ہیں، جتنی چیزیں دیکھنے کی ہیں ان سب کو یہ دیکھتے ہیں، جہاں تک معلومات کا تعلق ہے وہ سب ان کے علم میں ہوتی ہیں، اسی بنیاد پر کہتے ہیں کہ پیروں کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ تمام ممالک پر تصرف کر سکے یعنی رات اور دن میں جو کچھ عالم ظہور میں آتا ہے اس کا علم ان کو دیا گیا ہے۔

صوفی اندر کبود پوشی نیست

صوفی آنست کہ با صفا باشد

(نیلی پوشاک پہننا صوفی ہونے کی علامت نہیں، صوفی تو وہ ہے جو صفا سے متصف ہو)

مولانا حسام الدین امام ہیبت خان نے عرض کیا اس نظر سے روحانی نظر مراد ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! صوفیا اسی کو بصیرت کہتے ہیں۔ روح کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس کی نظر سے دونوں جہان کی کوئی چیز غائب نہیں رہے اگر یہ بات اس میں نہیں ہے تو اس کی روح کی صفت مغلوب ہے اس لئے کہ روح کی صفت تو نور وضیاء یعنی روشنی ہی روشنی ہے اور نفس کی صفت ظلمت و تاریکی ہے جب نفس کی تاریکی غالب آتی ہے تو روح کی تابش وضیاء مغلوب ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے نہیں دیکھتا اور اگر کوئی اس ظلمت و تاریکی کو اپنے اندر سے دور کر دے تو روح کی تابش اور اس کا نور ظاہر ہو جائے پھر کوئی چیز اس کی نظر سے غائب نہیں رہتی۔ روح میں ایسی صفت ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ عالم اجسام کی کوئی چیز کشف روح کے لئے حجاب نہیں بنتی، اندر باہر یعنی ظاہر و باطن، قرب و بعد سب اس کے نزدیک ایک ہے۔

میان من وتو چہ جائے میان است

میان من وتو میاں درنہ گنجد

(ہمارے اور تمہارے درمیان دوری SPACE کہاں

اس لئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان دوری کی گنجائش ہی نہیں)

مجلس شریف میں تذکرہ آگیا کہ اُس زمانہ میں مریدوں کو جلد کشائش نہیں ہوتی (یعنی جلد کشود کار نہیں ہوتا)۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کشائش جلد نہیں ہوتی اس کا سبب یہ ہے کہ قانون پر عمل نہیں ہوتا اِس وقت اصول ختم ہے اِس دستور اور قانون پر جیسا عمل ہونا چاہئے نہیں کرتے اور یہ کمی مریدوں کی جانب سے ہے یا پیروں کی جانب سے یا دونوں طرف سے۔ اسی وجہ سے کام درست نہیں ہوتا ہے۔ پیر کے لئے بھی شرائط اور قانون ہیں اور مریدوں کے لئے بھی شرائط وقانون ہیں اگر جانبین میں سے کسی جانب بھی قوانین اور شرائط میں فرق پڑتا ہے اور کمی واقع ہوتی ہے تو اثر ظاہر نہیں ہوتا کیا تم یہ نہیں دیکھتے وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا [البقرہ/۱۸۹] (اور گھروں میں اس کے دروازوں سے آؤ) کا حکم ہے یعنی یہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہے کہ تمام کاموں میں دروازہ کی راہ سے داخل ہونا چاہئے اگر کوئی اس گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو دروازے سے داخل ہوگا نہ کہ کسی دوسری راہ سے۔ اگر دوسری راہ سے داخل ہوتا ہے تو یہ قانون عقل کے خلاف ہے۔

اسی درمیان کسی نے پوچھا یا مخدوم! کیا مرید کا صرف یہی کام ہے کہ وہ پیر کے اشارے پر چلتا رہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کے لئے یہی قانون اور شرط ہے کہ وہ پیر کے حکم پر عمل کرے اس لئے کہ پیر کے حکم کے سلسلے میں اَلْاِرَادَتُ تَرْكُ

اَلْاِرَادَہ (ارادت ترکِ ارادہ کا نام ہے) کی بات کہی گئی ہے، ارادت کیا ہے؟ دین اور دنیا دونوں میں پیر کے ارادے پر اپنے ارادہ کو ترک کر دینا ہی ارادت ہے، اپنے ارادے سے کوئی حرکت و سکنت نہ کرے یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر پیر مرید کو فرض اور واجب کے ترک کا حکم دیتا ہے اور مرید کے دل میں یہ خدشہ گذرتا ہے کہ میں فرض اور واجب کو کیسے ترک کردوں تو وہ قانون کے دائرے سے باہر ہوگیا اور اعتراض کی حد میں داخل ہوگیا۔ ارادت میں اعتراض کہاں وَلَا اِرَادَۃَ مَعَ الْاِعْتِرَاض۔

عاقلاں از بلا بہ پرہیزند

مذہب عاشقاں دگر باشد

(جو عقل مند ہیں وہ بلاؤں سے دور رہنا چاہتے ہیں

اور عاشقوں کا مذہب دوسرا ہی ہے یعنی وہ بلاؤں سے کھیلنا جانتے ہیں)

اس زمانے میں کچھ لوگ جب پیر سے کوئی بات سنتے ہیں یا ان کو کچھ کرتے دیکھتے ہیں تو اس قدر بحث کرتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں اور کتابوں سے اس روایت کی سند مانگتے ہیں کہ کیا ایسا کہیں آیا ہے۔ تو اس حال میں کام کیسے بنے گا۔

خاکسار نے دریافت کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ پیران فرض اور واجب کے ترک کا حکم دیتے ہیں؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! حکم دیتے ہیں اس لئے کہ یہ حضرات طبیب ہیں یہ جانتے ہیں کہ کس چیز سے آرام ملے گا اس لئے اسی کا حکم دیتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ زہر کھانے سے جان کی ہلاکت ہے اسی طرح فرض کا ترک کرنا دین کی ہلاکت ہے، لیکن طبیب اکثر پرہیز سے بھی علاج کرتے ہیں اسی طرح یہ حضرات اکثر اوقات

فرض وواجب کے ترک سے علاج کرتے ہیں۔

از اں شاہد کہ در اندیشۂ ماست

نہ باشد زاہدے در شہر معصوم

(جو معشوق میری سوچ وفکر پر محیط ہے خدا نہ کرے اس سے شہر کا زاہد دور رہے)

حسام الدین مذکور نے عرض کیا اگر کسی شخص نے کسی کا کھانا غصب کرلیا (یعنی زبردستی لے لیا) اور اسے کھالیا تو کھانے کا یہ فعل حرام ہوا لیکن جو چیز کھائی گئی اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ چیز (جو کھائی گئی) حرام نہیں ہے لیکن وہ کھانا غیر کی ملک ہے (یعنی اس کا مالک کوئی دوسرا ہے) اس لئے حرام ہو جائے گا۔اس کے باوجود کھالیا تو کھانے کا تاوان (بدلہ) لازم آئے گا۔اس لئے کہ اس چیز کو (بلا اجازت) کھالینے سے وہ ہلاک ہوگیا (یعنی نقصان میں پڑ گیا) ہاں! اگر اس نے اپنی طرف سے قیمت ادا کر دی تو کہتے ہیں کہ قیمت کی ادائیگی کے سبب ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور اس وقت حلال ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ایک متعلم کہتے تھے کہ مولانا وحید الدین مکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں یہ روایت ملی کہ مومن کے حلق میں حرام چیز نہیں جاتی یہاں پر مولانا کی مجلس میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ اگر کسی غیر کی ملک کو غصب کر کے کھالیا تو ایسی صورت میں یہ روایت (کہ مومن کے حلق میں حرام چیز داخل نہیں ہوتی) ٹوٹ جاتی ہے۔اس شبہ کا یہ جواب دیا گیا کہ اس نے غیر کے مال کو کھالیا اور غصب کی ہوئی چیز کو خرچ کر دیا تو اس پر تاوان (قیمت) کی ذمہ داری لازم آئے گی اور جب اس پر خسارہ (یعنی قیمت) لازم آگیا تو غصب (کا الزام) اس سے ختم ہوگیا

اُس کو مال کا غاصب نہیں کہیں گے کیونکہ (تاوان کی ادائیگی) سے وہ چیز غاصب کی مِلک ہو گئی اس لئے اُس کو غاصب کہنا درست نہیں ہے۔ فَكَانَّهٗ اِشْتَرٰى فَاَكَلَ گویا اس نے خرید کر کھایا، اس مثال سے حلال ہو جاتا ہے اگر دنیا میں قیمت ادا کر دی تو ٹھیک ہے ورنہ آخرت میں معاوضہ دینا ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کتابوں میں یہ روایت دیکھی ہے کہ اگر کسی نے کسی کا دِرم و دینار زبردستی چھین لیا اس کے بعد اس رقم سے کوئی چیز (خرید کر) کھاتا ہے مثلاً قصاب کے پاس گیا کہ مجھے دس چیتل کا گوشت دے دو۔ اس وقت یہ چاہئے کہ پہلے قصاب سے گوشت لے لے پھر گوشت لینے کے بعد ہی وہ دس چیتل جو کسی سے زبردستی چھین کر لیا ہے قصاب کو دے دے۔ روایت یہ ہے کہ وہ گوشت حلال ہے حرام نہیں ہے اس لئے کہ وہ فروخت شدہ چیز اپنے قبضہ میں لینے کے بعد اس کی قیمت خریدار کے ذمہ ثابت ہو گئی اس کے بعد جس طرح کی بھی رقم ہے دے دے لیکن اگر اس نے دس چیتل پہلے ہی دے دیا اور کہا کہ اس رقم کا گوشت دے دو تو وہ گوشت ایسی صورت میں حرام ہو جاتا ہے۔

حسام الدین مذکور نے عرض کیا قیمت پہلے دی جائے یا بعد میں اس سے کیا اثر پڑے گا؟ ارشاد ہوا کہ اگر گوشت اپنے قبضے میں کر لینے کے بعد رقم دیتا ہے تو وہ اس کی قیمت ادا کرتا ہے جو اس کے ذمہ واجب ہو گئی تھی، خریدی ہوئی چیز اپنے قبضہ میں کر لینے کے بعد اس کی قیمت خریدار کے اوپر ثابت ہو جاتی ہے کہ جیسے ہی اس نے قبضہ میں لیا قیمت لازم آگئی۔ جس صورت میں بھی ہو قیمت ادا کرنی ہے اب اس ادا کی ہوئی رقم میں جھگڑا ہو سکتا ہے کہ حلال رقم سے ادائیگی کی گئی یا حرام سے۔ لیکن اگر گوشت لینے سے پہلے رقم دے دیتا ہے تو یہ مبادلہ ہے۔ گوشت اس رقم کا بدل ہو جائے گا اور بدل کے لئے وہی حکم

ہے جو بدلہ میں دینے والی چیز کا ہے چونکہ وہ رقم حرام ہے اس لئے گوشت بھی حرام ہوگا۔

[نوٹ: پہلی صورت ادھار یعنی قرض کی ہوگی اس لئے ایسی صورت میں گوشت حلال ہوگا اب اس قرض کو جس طرح کی رقم سے بھی ادا کیا جائے، دوسری صورت نقد کی ہے اور مبادلہ کی ہے اس لئے جو رقم دی جارہی ہے وہ حرام ہے اس لئے گوشت بھی حرام ہوگا.........مترجم]

اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ خرید وفروخت میں اتنا خیال رکھنا چاہئے کہ پہلے چیز لے لیں اس کے بعد قیمت ادا کریں۔ اگرچہ وہ رقم حرام نہیں ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ مشتبہ ہو۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایسا ہی کریں اور تین بار حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ خرید وفروخت میں اس قاعدہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

مجلس - ۳۹

قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ شہر کے بہت سارے لوگ پہلی تاریخ کی مبارک باد کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ قاضی خان نے عرض کیا کہ چھ روز کے متعین کرنے کا مفہوم کیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ آیا ہے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہیں نظر نہیں آیا ہے میں نے خود اس کو تفسیروں میں تلاش کیا مگر کہیں نہیں ملا۔ ہاں! تفسیر امام زاہد میں لکھا ہے کہ یہ متعین کی تعلیم کے لئے ہے لیکن اس سے پوری تشفی نہیں ہوئی اس لئے کہ یہ مفہوم تو ایک ساعت یا ایک دن سے بھی حاصل ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ چشم زدن

میں پیدا کر دینے پر قادر بھی ہے اور یہ متعین کی تعلیم کے لئے کافی ہوتا کہ ایک دن یا ایک ساعت میں پیدا کر دیتا لیکن چھ روز میں پیدا کیا اس میں کیا حکمت ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ قاضی منہاج الدین کے یہاں سے تفسیر کبیر مطالعہ کے لئے منگوائی تھی پہلی جلد کا مطالعہ شروع کیا، اب کیا پڑھیں، ہر دلیل پر ایک شبہ کسی نہ کسی طرح پیدا کیا گیا ہے ہر شبہ کا جواب مختلف طریقے پر دیا گیا ہے اور پھر ہر جواب پر کسی نہ کسی طرح کا سوال اٹھایا گیا ہے، میں نے کہا کہ اتنی ساری بحثیں میرے جیسے آدمی کے لئے یاد رکھنی مشکل ہیں۔ تھوڑا سا مطالعہ کیا اور واپس کر دیا۔ ہاں! تفسیر امام زاہد ایک عجیب تفسیر ہے دین کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے امام زاہد نے اس تفسیر میں سب کچھ بیان کر دیا ہے کچھ چھوڑا نہیں ہے اور نہ بہت طویل کیا ہے جو طبیعت پر بوجھ بنے۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ قاضی اول[18] قاضی بدرالدین ایک روز یہاں آئے تھے کہہ رہے تھے کہ مولانا شمس الدین یحییٰ[19] کے سامنے سبق دینے کے وقت جب کوئی آیت آجاتی اور اس کی تفسیر کی ضرورت ہوتی تو اس کے باوجود کہ ان کے پاس عربی کی بہت ساری تفسیریں موجود تھیں پھر بھی اس خادم کو تفسیر امام زاہد لانے کا حکم دیتے دوسری جلد ہو یا تیسری جلد جو حکم ہوتا حاضر کرتا مولانا اس کو مطالعہ فرماتے ہر بار میرے دل میں یہ خیال آتا کہ عربی میں اتنی ساری تفسیریں موجود ہیں پھر بھی مولانا تفسیر امام زاہد ہی کیوں منگواتے ہیں جو فارسی میں ہے۔ ایک دن موقع پا کر میں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ حضرت آپ کے پاس عربی میں اتنی ساری تفسیریں موجود ہیں پھر بھی فارسی کی اس تفسیر کی طرف کیوں رجوع فرماتے

ہیں۔ آخر اس میں کون سی بات ہے؟ مولانا شمس الدین نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ صحیح ہے کہ عربی کی تفسیروں میں بہت زیادہ فصاحت، بے انتہا بلاغت اور بے شمار معانی ہیں لیکن جو لذت اور شیرینی فارسی کی اس تفسیر میں ہے کسی دوسری تفسیر میں مجھے نہیں ملی۔

اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب حضرت امام زاہدؒ نے اس تفسیر کا مسودہ مکمل کیا تو چند روز تک گھر ہی میں رہنے دیا، شاگردوں اور احباب میں سے ہر شخص نے کہا کہ حضرت اس مسودہ کو باہر لاتے تا کہ ہم لوگ اس کو صاف کر لیتے لیکن آپ نے کسی کو نہیں دیا، اس کے بعد جب اصرار بہت بڑھ گیا تو ایک روز باہر لائے اس وقت بغداد میں تھے۔ ایک عزیز سے کہا کہ جاؤ یہ چاروں جلد لے جاؤ اور دجلہ میں ڈال دو۔ جب وہ عزیز ان چاروں جلدوں کو لے کر باہر آئے تو اور دوسرے عزیز ان پیچھے پیچھے باہر آئے اور ان سے کہا کہ ان کتابوں کو دجلہ میں ہر گز نہ ڈالنا، معلوم نہیں حضرت نے کس حال اور کیفیت میں ایسی بات کہی ہے۔ دجلہ میں ڈالنا مصلحت کے خلاف ہے، اس کو ہم لوگ کہیں رکھ دیں اور اس عزیز کو سمجھا دیا کہ اگر حضرت پوچھیں تو کہہ دینا کہ ہاں ڈال دیا ہے۔ دوسرے دن جب حضرت نے اس عزیز سے دریافت کیا کہ ڈال دیا؟ انہوں نے کہا جی ہاں! ڈال دیا۔ پھر حضرت نے پوچھا کہ اس وقت تم نے کیا دیکھا؟ کہا کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں تم نے نہیں ڈالا ہے جاؤ اور ڈال دو۔ اب عزیزوں نے کہا اس میں ضرور کچھ مصلحت ہے وہ عزیز گیا اور چاروں جلدوں کو دجلہ میں ڈال دیا۔ دیکھا کہ پانی درمیان سے ہٹ گیا ایک صندوق نکلا وہ چاروں جلدیں اس صندوق میں چلی گئیں، پانی جیسے پہلے تھا اسی طرح مل گیا۔ وہ عزیز واپس آ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا تو نے

کیا کیا؟ کہا میں نے ڈال دیا۔ آپ نے کہا اس وقت کیا دیکھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ جب میں نے دجلہ میں ڈالا تو دیکھا کہ پانی درمیان سے ہٹ گیا ایک صندوق نمودار ہوا، چاروں جلدیں اس صندوق میں چلی گئیں اور پانی پہلے کی طرح مل گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اب تم نے ڈال دیا۔ وہ دن اسی طرح گذر گیا، دوسرے دن صبح سویرے اسی عزیز کو بلایا اور کہا جاؤ ان چاروں جلدوں کو لے آؤ۔ وہ عزیز گئے دیکھا کہ دجلہ کے کنارے چاروں جلدیں رکھی ہیں، اٹھایا اور لا کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے کھول کر دیکھا تو جگہ جگہ نشان لگا ہوا تھا۔ عزیزوں سے فرمایا کہ جہاں جہاں نشان لگا ہے اس کو نقل نہ کیجئے اور جہاں نشان نہیں لگا ہے اس کو نقل کر لیجیے۔ عزیزوں کے لئے یہ واقعہ ایک معمہ بن گیا، سب جمع ہوئے اور دریافت کیا کہ حضرت یہ واقعہ ہم لوگوں کے لئے ایک مسئلہ بن گیا ہے، یہ سب جو کچھ ہوا اگر اس کی حقیقت اور راز کا انکشاف کر دیا جائے تو ہم لوگوں کے دل سے یہ کھٹک دور ہو جائے۔ حضرت کچھ دیر خاموش رہے، اس کے بعد فرمایا اچھا تم لوگوں سے کہہ دیتا ہوں، جب میں نے اس کتاب کا مسودہ مکمل کیا تو بھائی خضر کے پاس بھیج دیا اور ان سے درخواست کی کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو اپنی چشم مبارک سے دیکھ لیجیے۔ جہاں جہاں غلطیاں تھیں وہاں نشان لگا دیا۔ یہ نشان جو تم دیکھ رہے ہو حضرت خضر نے لگایا ہے۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر فرمایا کہ اس کتاب کی مقبولیت اور شیرینی کی یہی وجہ ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جہاں کوئی مشکل آیت آگئی ہے وہاں امام زاہدؒ نے اس کی تفسیر اس طرح شروع کی ہے کہ اس آیت کی تفسیر مشکل ہے اور ہر شخص نے اس آیت سے

متعلق کچھ نہ کچھ لکھا ہے، اس میں غلطی کی ہے جو شرع کے اصول و قانون سے باہر ہے۔ سب سے پہلے میں نے ان غلطیوں کو نکال دیا ہے تاکہ صحیح تفسیر معلوم ہو جائے۔ ایک ایک کر کے ان تمام غلطیوں کی نشاندہی کر دی ہے اور یہ لکھ دیا ہے کہ یہ غلط ہے اور یہ غلط نہیں ہے۔ ہاں! جو میں لکھ رہا ہوں وہ صحیح اور اعتقاد کے لائق ہے اور اس کے ذیل میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ تم اس پر اعتقاد رکھو۔ تمہارے اعتقاد کی ضمانت قیامت کے دن میں ہوں۔

حاضرین مجلس نے عرض کیا مخدوم! وہ غلطیاں جنہیں امام زاہدؒ نے ظاہر فرمائی ہیں کچھ بیان کی جائیں۔ تاکہ ہم لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بہت ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ قصوں میں آتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے متبنیٰ زیدؓ کی بیوی زینب سے عشق ہو گیا تھا اور یہ عشق دل میں پوشیدہ تھا، زینب چونکہ اپنے قوم کی شریف زادی تھیں اور بے حد حسین و جمیل تھیں اور زید غلاموں میں سے تھے اس لئے وہ اُن کے آگے جھکتی نہیں تھیں، دونوں کو ایک دوسرے سے نفرت تھی، زید بار بار رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور کہتے کہ زینب میرے ساتھ موافقت نہیں کرتی، دشمنی اور نفرت میں مبتلا رہتی ہے، حکم دیا جائے تاکہ میں طلاق دے دوں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دل سے چاہتے تھے کہ زید طلاق دے دیں لیکن زبان سے کہتے تھے کہ طلاق نہ دو۔

یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اب یہی دیکھئے کہ تفسیروں میں اس طرح کی باتیں لکھ دی گئی ہیں، کسی غیر کی عورت سے عشق کرنا ہمارے تمہارے لئے حرام ہے تو پھر پیغمبروں کے لئے ایسا گمان کیسے کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جو سب کے سردار ہیں اُن کے حق میں کون ایسا گمان کر سکتا ہے۔ (دوسری بات یہ کہ) دل سے چاہتے تھے کہ طلاق دے

دیں لیکن زبان سے کہتے تھے کہ طلاق نہ دو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ دل میں کچھ رکھنا اور زبان سے کچھ کہنا نفاق ہے اور یہ جب ہمارے تمہارے لئے جائز نہیں تو پیغمبروں کے لئے کب جائز ہوسکتا ہے۔ اس طرح کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور اس واقعہ سے متعلق لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے وَاللّٰهُ مُبْدِيهِ[۲۱] یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر فرمائے گا جو کچھ آپ کے دل میں ہے اور حضور ﷺ کے دل میں یہ تھا کہ ایام جاہلیت میں متبنّیٰ کی بیوی سے نکاح حرام تھا جس طرح صلبی بیٹے کی زوجہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول ﷺ کو باخبر کردیا تھا کہ میں اس قانون کو خاص آپ کے لئے منسوخ کردوں گا۔ زید اپنی زوجہ زینب کو طلاق دیں گے اور اُن کو یعنی زینب کو آپ کے لئے حلال کردیں گے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کے دل میں یہی بات تھی۔ وہ بات نہیں تھی جو قصے میں کہی گئی کہ حضور ﷺ زینب کا عشق اپنے دل میں رکھتے تھے اور نہ یہ بات تھی کہ زید کے طلاق دینے کی خواہش دل میں تھی اور زبان سے فرماتے تھے کہ طلاق مت دو۔ حاشا وکلا یہ سراسر غلط ہے۔

اور بھی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چالیس دنوں تک سلطنت کے زوال میں مبتلا رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی زوجہ ایک بت گھر میں لے آئی تھیں اور چالیس دنوں تک اُس کی پرستش کرتی رہیں، یہ بھی سراسر غلط ہے اس لئے کہ جب ہمارے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ کافرہ بیوی کو گھر میں رکھیں تو پیغمبر کی بیوی جو بت پرستی کی وجہ سے کافرہ ہوگئیں پیغمبر کے لئے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ اس کافرہ بیوی کو گھر میں رکھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی کی عورت اپنے گھر میں کوئی برا کام کرتی ہے اور شوہر اس کی خبر نہیں رکھتا تو یَكُوْنُ فَاسِقًا (وہ فاسق ہوگیا)۔ اور سلیمان علیہ السلام اپنی

اہلیہ کے حال سے بے خبر رہے۔ اگر کسی پیغمبر کی اہلیہ نے بت پرستی کی تو ضرور ان کو خبر دی جاتی۔ اس لئے یہ بھی غلط ہے تفسیروں میں اس طرح کی بہت ساری غلطیاں ہیں۔

ایک اور غلطی دیکھئے، کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی نگاہ اوریا کی بیوی پر پڑ گئی اس کا خیال ان کے دل میں بیٹھ گیا۔ اس کے بعد آپ نے اوریا کو ایسی جگہ بھیج دیا جہاں وہ قتل کر دیا جائے تاکہ اُس کی بیوی سے اپنا نکاح کر لیں۔ سمجھ لیجئے کہ یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ جب ہمارے اور تمہارے لئے حرام ہے کہ کسی کو ایسی جگہ بھیج دیں جہاں وہ مارا جائے تو خدا کے پیغمبر کے لئے یہ کب جائز ہو سکتا ہے اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ سب اور اس طرح کی دوسری غلطیاں جو مشکل آیات کے سلسلے میں آئی ہیں امام زاہدؒ نے نکال دی ہیں اور جو صحیح ہیں اور اعتقاد کے لائق ہیں ان کو اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

مجلس - ۴۰

حاضری کی سعادت میسر ہوئی۔ مولانا کریم الدین نے عرض کیا۔ ایک دانشور دیوانہ صفت تھے وہ برابر مولانا قیام الدین کے پاس آتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے "کہ دنیا کی زیادتی آخرت کا نقصان ہے" ایک بار میں نے اس حدیث کا مفہوم مولانا قیام الدین سے دریافت کیا اور کہا کیا یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے؟ مولانا قیام الدین نے جواب دیا کہ ارے وہ دیوانہ صفت ہے اس کی باتوں کا کیا اعتبار۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ بہتر جانتا ہے اگر یہ حدیث ہے تو میں اس کا مفہوم یہ لوں گا کہ اگر کوئی ضرورت کے مطابق دنیا رکھتا ہے اور ضرورت سے زیادہ کی طلب کرتا ہے تو جس مقدار میں زیادہ کی طلب کی اسی مقدار آخرت کے کاموں کو نہیں کر سکا لہذا آخرت کا نقصان ہوا۔

پھر سوال کیا اگر کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ ہے اور (جو کچھ اس کے پاس ہے اس سے زیادہ کی) کچھ طلب نہیں رکھتا ہے تو ایسی صورت میں کیا کہیں گے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہاں پر بھی اسی طریقے پر جواب دیں گے کہ ضرورت سے زیادہ مال جو اس کے پاس موجود ہے اس سے وہ نفع اٹھائے گا اور عیش و آرام کرے گا۔ ایسی صورت میں جتنی دیر نفع اٹھانے اور عیش و آرام میں گذارا اتنی دیر آخرت کے کام سے الگ رہا لہذا دنیا کی زیادتی نقصان آخرت کا سبب بنی۔

خاکسار نے دریافت کیا کہ (اس مال سے) نفع حاصل نہیں کرتا صرف اس کے پاس موجود ہے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا کہ اس نے جو اپنے پاس مال موجود رکھا ہے وہ وجاہت یعنی آرائش و زیبائش کی نیت سے رکھا ہے یا (ضرورت کے وقت) خرچ کرنے کی نیت سے۔ اگر اظہار آرائش و زیبائش کی نیت سے رکھا ہے تو وہی حکم لاگو ہوگا جو میں نے پہلے کہا لیکن اگر خرچ کرنے کی نیت سے رکھا ہے اور خرچ کرنے کی ضرورت آئی یعنی اس کا موقع آیا کہ خرچ کیا جائے تو مصرف لینا چاہیے یہ نیت لائق تحسین ہے۔

مجلس شریف میں مرفوع القلم (جو قابل باز پرس نہ ہو) کا تذکرہ آگیا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث میں لفظ رفع آیا ہے اور بعض جگہ عتقا اللہ آیا ہے یعنی

آربابِ الثمانین عتقا اللہ تعالیٰ (صاحبانِ قدر اللہ کے نزدیک آزاد کئے ہوئے ہیں) اس کا تعلق روایت سے ہے دیکھنا یہ ہے کہ روایت میں کیا کیا آیا ہے وہ گذشتہ گناہوں سے آزاد ہوں یا جو گناہ آئندہ کریں گے اس سے آزاد ہیں یا مطلقاً ہر گناہ سے آزاد ہیں یہ تو روایت سے متعلق ہے۔

مجلس شریف میں سید وحید الدین [۲۲] کا تذکرہ آگیا۔ مولانا کریم الدین نے دریافت کیا کہ یہ سید جو حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کرتے ہیں کون ہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخؒ کے بھانجا ہیں اور حضرت شیخ علاء الدین جیوری [۲۳] کے صاحبزادے ہیں۔ سید علاء الدین ایک بہت بڑے بزرگ تھے جملہ اصناف علوم پر عبور رکھتے تھے صاحب سجادہ بھی تھے اور صحیح النسب بھی۔ ہمارے شیخ (نجیب الدین فردوسیؒ) نے ان سے (یعنی سید علاء الدین سے) تفسیر و حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ سید علاء الدین نے پورے ہفتے کو درس کے لئے تقسیم کر رکھا تھا مثلاً ایک روز فقہ کا سبق دیتے، ایک روز علم نحو و منطق سکھاتے، ایک روز اصول و علم کلام پڑھاتے اور ایک روز تفسیر و حدیث کا درس دیتے، ان کے درس دینے کا یہی دستور تھا کہ ایک روز کسی ایک ہی علم کا درس دیتے تھے۔ دہلی کے سارے بزرگان، مشائخ اور علماء، بادشاہ کے یہاں جاتے تھے مگر سید علاء الدین [۲۴] ہی ایسے گذرے ہیں جو کسی وقت بھی بادشاہ کے دربار میں نہیں گئے، یہاں تک کہ بعض وقت یہ منادی کر دی گئی تھی کہ شہر کے تمام بزرگان کو بادشاہ کے محل میں حاضر ہونا ہے تو سب بزرگان حاضری دیتے مگر سید علاء الدین اس وقت بھی نہیں جاتے اور کہتے

تھے کہ جو ہونا ہے وہ ہو لیکن میں بادشاہ کے پاس جانے والا نہیں۔ وہ ایسا کردار رکھتے تھے۔

خاکسار نے عرض کیا سید وحید الدین کی زبان مبارک سے یہ سنا گیا ہے (یعنی انہوں نے کہا ہے) کہ میری والدہ اور حضرت شیخ کبیر نجیب الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ ایک ماں سے ہیں اور شیخ رکن الدین" و شیخ نظام الدین" دوسری ماں سے ہیں۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! شیخ عماد الدین فردوسی مرحوم کے گھر میں دو بھائی ایک امیر خورد اور دوسرے امیر بزرگ نوجوان رہتے تھے۔ ان کی (یعنی امیر خورد کی) ایک صاجنرادی تھیں۔ ہمارے شیخ (پیر کبیر نجیب الدین فردوسی) اور سید وحید الدین کی والدہ انہیں سے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس سے قبل دہلی میں حضرت شیخ رکن الدین[۴۵] شیخی یعنی بزرگی میں مشہور و معروف ہوئے ہیں، اپنے پیروں کا عرس کرتے تھے، بلکہ آپ ہی نے دہلی میں عرس کو عام کیا اس زمانہ میں شیخ نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ غیاث پور میں نووارد تھے وہاں ایک خاص جگہ میں قیام فرما تھے ابھی تک آپ کو شہرت نہیں ہوئی تھی لیکن ان کی دولت و نعمت میں روز افزوں ترقی تھی۔ حضرت شیخ رکن الدین"، حضرت شیخ نظام الدین (اولیاء)" کو عرس میں شرکت کی دعوت دیتے تھے اور آپ ان کے یہاں عرس میں تشریف لاتے تھے ہمارے شیخ (حضرت نجیب الدین فردوسی)" کی والدہ ایک بزرگ عورت تھیں، نعمتوں سے مالا مال تھیں یہاں تک کہ لوگ ان کو بھی "شیخ" کہتے تھے، ایک دن شیخ رکن الدین سے فرمایا سنتی ہوں کہ غیاث پور میں شیخ نظام الدین بدایونی رہتے ہیں وہ کیسے ہیں اور انہیں کس طرح دیکھ سکتی ہوں۔ شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ میں انہیں عرس میں بلاؤں گا گھر میں ایک خاص جگہ ان

کے لئے مخصوص کر دوں گا، اُن کو وہاں پر لا کر بیٹھاؤں گا اور آپ کو جہاں پر کہوں وہاں پر بیٹھ جائیں گی، میں اسی مجلس میں رہوں گا انگلی سے اشارہ کر دوں گا کہ یہی ہیں۔ حضرت نے ویسا ہی کیا والدہ کو اسی جگہ لے جا کر بیٹھا دیا جہاں پر کہا تھا اور خود مجلس میں چلے گئے جہاں شیخ نظام الدین (اولیاء) تشریف فرما تھے وہیں پر سے انگلی سے اشارہ کر دیا کہ یہی ہیں، حضرت کی والدہ نے انکو دیکھ لیا اور پھر اپنی جگہ پر چلی گئیں۔ اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین نے ان سے دریافت کیا کہ شیخ نظام الدین کو دیکھا کیسا پایا؟ حضرت کی والدہ نے فرمایا کہ میں نے ان کی پیشانی میں ایسا نور دیکھا ہے (جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے) کہ دہلی میں وہ کارنامہ انجام دیں گے جو کسی نے نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سید علاء الدین جیوری اور شیخ نظام الدین بدایونی نے ایک ساتھ سید شرف الدین [۲۶] سے جو کہ ایک سید بزرگ تھے مشارق پڑھی ہے اور یہ بات میں نے (حضرت مخدوم جہاں نے) خواجہ نظام الدین [۲۷] سے سنی ہے، وہ (یعنی خواجہ نظام الدین مذکور) مجھ سے کہتے تھے کہ ایک بار میں دار السلطنت بردوان سے متصل ایک شہر لکھنوتی میں پہنچا، وہاں سے دہلی جانے کا اتفاق ہوا۔ مولانا بدر الدین نے سونے کی ایک انگوٹھی میرے حوالے کی اسے سید علاء الدین جیوری کو میری طرف سے بطور یادگار پہنچا دینا اور بھی تین چار حضرات نے تحفے کے طور پر پیش کرنے کے لئے کچھ چیزیں دیں۔ میں نے بھی اپنی طرف سے تحفہ میں پیش کرنے کے لئے ایک چیز رکھ لی۔ جب میں دہلی پہنچا اور ان کے دولت خانے پر حاضر ہوا تو وہ دوپہر کا وقت تھا، ان کے مہمان خانے میں جا کر بیٹھ گیا، خادم آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے کہا بہار

سے آرہا ہوں لیکن دیکھو یہ قیلولہ کا وقت ہے حضرت سید صاحب کو میرے آنے کی خبر نہیں دینا
اس لئے کہ میں بے وقت آ گیا ہوں۔ میں تھوڑی دیر انتظار کرلوں گا کچھ دیر کے بعد
خبر دو گے خادم نے میری بات سے اتفاق کیا اور وہاں سے اٹھ کر کسی ضرورت سے اندر گیا۔
اتفاقاً اس خادم کو ایسی ضرورت آ گئی کہ اس کو سید علاء الدین کے کمرے میں جانا پڑا، دیکھا کہ
حضرت سید صاحب غسل کے لئے سر پر مٹی مل رہے ہیں، آپ نے پوچھ لیا کہ مہمان خانے
میں کون ہیں؟ خادم نے عرض کیا کہ بہار سے ایک آدمی آئے ہیں، آپ نے فرمایا اگر غسل
پورا کرتا ہوں تو دیر ہو جائے گی اور ان کو تکلیف پہنچ سکتی ہے، خادم کو حکم دیا کہ دوسری مرزئی
لاؤ۔ خادم نے دوسری مرزئی لائی، آپ نے اس کو پہن لیا اور اسی حال میں یعنی سر پر مٹی
ملے ہوئے تھے مجھ کو اندر بلا لیا، خادم آیا اور اس نے کہا تشریف لائیے آپ کو اندر بلا رہے
ہیں، میں نے کہا تم کو منع کر دیا تھا کہ خبر نہیں کرو گے تم نے کیوں خبر کر دی، اس خادم نے کہا
اتفاق ہی ایسا آ گیا کہ کہنا پڑا۔ الغرض میں اندر گیا، مصافحہ کیا، حضرت نے مجھ سے فرمایا
"میں سر پر مٹی مل چکا تھا کہ آپ کے آنے کی خبر ملی اگر غسل سے فارغ ہوتا تو آپ کو تکلیف
پہنچ جاتی اسی لئے بلا لیا"۔ میں نے بھی معذرت کی اور جس نے جو چیزیں بھیجی تھیں وہ آپ
کے سامنے رکھیں، سب سے پہلے سونے کی انگوٹھی پیش کی جو مولانا بدر الدین نے بطور نشانی
بھیجی تھی، اس کے بعد وہ چیزیں پیش کیں جو دوسرے لوگوں نے حوالے کی تھیں، آخر میں
اپنا تحفہ نکالا اور کہا کہ یہ اس خاکسار کی طرف سے ہے، حضرت سید صاحب کے دل میں یہ
بات گذری کہ اس شخص نے دوسروں کی چیزیں بھی پہنچائیں اور اپنی طرف سے بھی پیش
کیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کہیں مرید بھی ہو؟ میں نے کہا جی ہاں! پھر پوچھا کس سے مرید
ہو؟ میں نے کہا شیخ نظام الدین بدایونی سے۔ جس وقت میں نے یہ کہا آپ نے فرمایا یہ

بات اسی وجہ سے ہے اور یہ فیضان انہی کا ہے جو آپ کو ملا ہے اس کے بعد کہا کہ سنو۔ میں (یعنی سید علاء الدین) اور تمہارے شیخ (یعنی حضرت نظام الدین بدایونی) دونوں سید شرف الدین سے مشارق ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ اور شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی جتنی بار سید شرف الدین کے پاس آتے کچھ نہ کچھ لے کر آتے، ہرگز خالی ہاتھ نہیں آتے، اگر ایک دن میں پانچ بار آتے تو ہر بار ضرور کچھ لے کر آتے۔ ایک دن حضرت سید شرف الدین کے دل میں خیال آیا کہ اتنے سارے شاگردان ہر روز سبق پڑھنے کے لئے آتے ہیں کسی میں وہ رونق و روشنی نہیں ہے لیکن یہ شخص جب بھی آتے ہیں کچھ نہ کچھ ضرور لاتے ہیں ان کی اسی بات سے استاد بہت خوش ہوئے، حضرت شیخ نظام الدین بدایونی کے حق میں دعا فرمائی کہ تم نعمتوں سے مالا مال ہو گے اس کے بعد فرمایا کہ یہ انہی کا فیضان ہے جو تم کو پہنچا ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس میں بھی کوئی خوبی رکھی ہے اس میں اس کی نشانی (علامت) بھی پیدا کر دی ہے، یہاں تک کہ اہل بصیرت اسی علامت کی وجہ سے نیک بخت اور بد بخت میں فرق کر لیتے ہیں۔

ما دیبا دانیم و برد رازی دانیم
ما عشق حقیقی ز مجازی دانیم

(ہم تو دیبا اور رازی کی چادر جانتے ہیں اور عشق حقیقی کو عشق مجازی سے پہچانتے ہیں)

اس موقع پر خدمت کی بات ہونے لگی۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خدمت بھی عجیب کام ہے، نعمت و رحمت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، خدمت کے متعلق بے شمار وعدے (خوشخبریاں) ہیں۔

اسی وقت خاکسار نے یہ حدیث لا یزال اللہ فی حاجۃ العبد ما دام العبد فی حاجۃ اخیہ المسلم (جو بندہ اپنے مسلم بھائی کی حاجت روائی میں ہمیشہ لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کی حاجت کو ہمیشہ پوری کرتا ہے) پڑھی جو حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ معدن المعانی[۲۹] میں آئی ہے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہی ایک کیا، اتنے سارے وعدے آئے ہیں جو شمار میں نہیں آسکتے۔ اس کے بعد کافی مبالغہ کے ساتھ فرمایا کہ خدمت بھی ایک نادر کام ہے اور ایک بڑا کام ہے مَنْ خدم خدم (جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا)۔

بر پائے رقیباں چہ کنم گر نہ نہم سر

محتاج ملک بوسہ دہد پائے غلاماں

(رقیبوں کے پاؤں پر اگر اپنا سر نہ رکھوں تو کیا کروں،

بادشاہوں کی بارگاہ تک پہنچنے کی خواہش رکھنے والا غلاموں کے قدم ہی چوم کر رہ جاتا ہے)

مجلس - ۴۱

شرف زیارت سے مشرف ہوا۔ مولانا نظام الدین درون حصاری نے عرض کیا غائبانہ بیعت درست ہے یا نہیں؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہیں پر یہ روایت نہیں آئی ہے اور منقول بھی نہیں ہے اگر بزرگوں سے نقل آئی ہو تو اس وقت اس کو صحیح مانا جائے گا، پھر عرض کیا اگر کوئی شخص کسی عذر اور رکاوٹ کی وجہ سے کسی بزرگ کے پاس نہیں پہنچ سکا اور اس نے اس بزرگ کے پاس عرض داشت بھیجی اور اپنی مجبوری کو پیش کیا اس کے بعد

اس بزرگ نے اس شخص کو قبول کرلیا ایسی صورت میں مریدی اور پیری ثابت ہوگی یا نہیں؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر اس بزرگ نے اس شخص کو مریدی میں قبول کرلیا تو مرید کی طرف سے اصالتاً (براہ راست) اور اس بزرگ کی طرف سے نیابتاً (بطور قائم مقام) تصور کیا جائے گا لیکن اس صورت میں بھی روایت کی ضرورت ہے۔

پھر مولانا نظام الدین نے عرض کیا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی غائبانہ بیعت لی ہے اپنے دونوں دستِ مبارک کو یکجا کر کے فرمایا کہ یہ ہاتھ عثمان کی طرف سے ہے اس پر تو قیاس کیا جا سکتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! غائبانہ بیعت کے جواز میں یہ صرف ایک دلیل ہے، اس کے علاوہ بھی دلیل طلب کی جائے گی۔

پھر مولانا نظام الدین نے دریافت کیا لوگوں میں پیرِ خرقہ، پیرِ بیعت و تربیت اور پیرِ صحبت جو مشہور ہے وہ کہاں سے ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان باتوں کی بھی اصل ہے لیکن لوگوں کو معلوم نہیں۔

پیرِ خرقہ و پیرِ بیعت :

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس اصول اور دستور کے مطابق پیرِ خرقہ اس پیر کو کہتے ہیں جس کے پاس کوئی شخص مرید ہونے کے لئے گیا اس نے ہاتھ پکڑا اور طاقیہ (ٹوپی) پہنایا، چونکہ طاقیہ بھی خرقہ ہی ہے اس لئے اس پیر کو پیرِ خرقہ کہتے ہیں اور اسی کو پیرِ بیعت بھی کہتے ہیں، اور پیرِ بیعت و پیرِ خرقہ ایک ہی ہے۔

پیرِ تربیت :

پیرِ تربیت یہ ہے کہ ایک شخص کسی کا مرید ہے، مرید ہونے کے بعد اس مرید کو یا پیر

کو کوئی ایسی مجبوری اور عذر پیش آ گیا جس کی وجہ سے دونوں ایک جگہ نہیں رہ سکے، مرید پیر سے الگ ہو گیا (یعنی دور چلا گیا) اور دوسرے پیر کی خدمت میں حاضر ہوا، اس پیر نے تربیت کی، اُس کو آفات اور عیوب سے الگ رکھا اور اس کا علاج کیا چونکہ اس مرید نے اس پیر کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی اِس لئے اُس پیر کو پیرِ تربیت کہتے ہیں۔

پیرِ تربیت اور پیرِ صحبت کا فرق:

مولانا نظام الدین مذکور نے پھر سوال کیا پیرِ تربیت اور پیرِ صحبت میں کیا فرق ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پیرِ تربیت اُس پیر کو کہتے ہیں جس نے ایسا کرو اور ایسا نہ کرو کا حکم دینا اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ لیکن پیرِ صحبت وہ ہے جس نے اُس (مرید) کی پرورش کو قبول نہیں کیا اور اس کو اپنے لئے لازم نہیں کرلیا ہے بس اِس سے زیادہ نہیں ہے کہ اُن کی صحبت میں رہ کر جو کچھ کرتے دیکھا اُس کو کرتا ہے۔

مولانا نظام الدین نے پھر دریافت کیا اگر کوئی شخص کسی بزرگ سے محبت رکھتا ہے اور اُس کو اعتقاد بھی ہے اِس عقیدہ کی وجہ سے اُس بزرگ کے وقت کی برکت و نعمت سے سرفراز بھی ہوا، اور وہ یہ جانتا بھی ہے کہ یہ دولت و نعمت جو مجھ کو ملی ہے وہ فلاں بزرگ کی برکت اور اُن کی نگاہ کی تاثیر سے ملی ہے اِس کے بعد کسی دوسرے بزرگ کے پاس گیا ارادت ہوئی اور مرید ہو گیا۔ ایسی صورت میں اس پہلی دولت و نعمت میں کوئی خلل پیدا ہوگا یا نہیں؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نہیں کچھ خلل نہیں ہوگا، ان سے جو کچھ پایا وہ اسی طرح رہے گا اِس سے کیا فرق پڑ گیا کہ کسی دوسرے سے مرید ہو گیا۔ اِس کے نزدیک تو سب پیر برابر ہیں اعتقاد یہی رہے کہ جس طرح سے یہ مکمل ہیں سب مکمل ہیں اور سب کامل ہیں، اعتقاد قانون پر ہونا چاہیئے۔

پھر عرض کیا دوسرے پیر سے ارادت رکھنے میں کوئی خلل تو نہیں ہوگا؟ ارشاد ہوگا کہ نہیں ہوگا اور فرمایا کہ حضرت مولانا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ سفر کئے ہوئے تھے اور اس گروہِ صوفیا کے بہت سارے بزرگوں کی خدمت میں رہے تھے اور سب سے نعمتیں ملی تھیں، جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ فرید اپنا کام پورا کر کے میرے پاس آئے ہیں۔

پھر گذارش کی کیا ایسا ہوتا ہے کہ مرید کسی اور پیر سے ہو اور نعمت کسی دوسرے بزرگ سے پائے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! ایسا بہت ہے، صاحب کشف المحجوب نے لکھا ہے کہ میں خراسان تک تین سو بزرگوں کی خدمت میں رہا ہوں اور ہر ایک بزرگ سے نعمت پائی ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مجھے یہ نعمت فلاں سے ملی ہے۔ صاحب کشف المحجوب ایک بہت بڑے بزرگ تھے بلکہ اپنے وقت کے قطب تھے۔

مجلس شریف میں حقوق کی رعایت کا تذکرہ آگیا، مولانا نظام الدین مذکور نے عرض کیا ایک شخص کسی بزرگ کا مرید ہے اور اُس شخص کے کوئی استاد بھی ہیں، اُس کے پیر اور استاد کے درمیان کسی طرح کا جھگڑا ہو گیا یا اُس شخص کے پیر اور والد کے درمیان جھگڑا ہو گیا ایسی صورت میں یہ شخص حقوق کی رعایت کیسے کرے گا۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح شرع نے حکم دیا ہے کہ ہر ایک کے حقوق کو شریعت کے مطابق ادا کرے گا اور حقوق کی ادائیگی میں ذرہ برابر حد سے آگے نہیں بڑھے گا جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح پیر کے ساتھ پیر کے حقوق کی رعایت رکھے، استاد کے حقوق کی رعایت استاد کے ساتھ کرے جیسا کہ استاد کے حقوق کا حکم ہے اور باپ کے ساتھ باپ کے حقوق کی رعایت رکھے

جیسا کہ حکم دیا گیا ہے۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے، ترکِ حقوق کسی طرح جائز نہیں رکھا گیا ہے۔ اگرچہ پیر، استاد اور باپ کے درمیان کسی طرح کا جھگڑا ہے تو اُس سے اُس شخص کو کیا تعلق اور سروکار۔ اس کو بس یہی چاہئے کہ شریعت کے احکام کے مطابق ہر ایک کے حقوق کی رعایت کرے اور اس میں ذرہ برابر حد سے آگے نہ بڑھے۔

مولانا نظام الدین نے پھر دریافت کیا اگر کوئی شخص دین کے کام کے لئے کسی بزرگ کے پاس جاتا ہے تو کیا یہاں پر ماں باپ کی خوشنودی (اجازت) ضروری شرط ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دین کے بنیادی اصول والدین کی اجازت کے محتاج نہیں یعنی جتنے فرائض ہیں ان میں رضائے والدین کی شرط نہیں ہے۔ ہاں! زوائد میں اُن کی خوشنودی ضروری ہے۔

پھر دریافت کیا باطن کو بری صفتوں سے پاک کرنا فرض نہیں ہے؟ ارشاد ہوا کہ فرضِ شرعی نہیں ہے بلکہ فرضِ حالی ہے یعنی اگر کسی نے راہِ طریقت میں قدم رکھا اُس راہ کے کاموں کو اپنے اوپر لازم کر لیا، اپنے اندر حصول کمالات کی ہمت پیدا کی تو اِن اقدام اور التزام کی وجہ سے فرض ہو جاتا ہے۔ شرع کی جانب سے وہ اس کے لئے مکلف نہیں ہے اور یہ کام مردوں کا ہے مخنثوں کا نہیں۔

زہرۂ مرداں نہ داری چوں زنان درخانہ باش

ور بہ میداں می روی از تیر باراں برمگرد

(مردوں والی ہمت تمہارے اندر نہیں ہے اس لئے جاؤ زنان خانے میں بیٹھ رہو، اور اگر میدان میں اترنا چاہتے ہو تو تیروں کی بارش سے فرار اختیار نہ کرو)

پھر عرض کیا اگر تصفیۂ باطن اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اس کے بعد اپنی اصلاح کے لئے کسی بزرگ کے پاس آتا ہے تو ایسی صورت میں والدین کی خوشنودی شرط ہوگی؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! شرط ہوگی اس لئے کہ حقیقی فرائض میں والدین کی خوشنودی مقدم نہیں ہوتی ہے لیکن ایسے اعمال میں جو فرض حقیقی نہیں ہیں اگرچہ ان زوائد کو اپنے اوپر لازم کرلیا اور اس میں لگے ہوئے بھی ہیں تو ایسی صورت میں والدین کی خوشنودی شرط ہوگی اور باطن کو پاک کرنا زوائد میں سے ہے اگر باطن پاک نہ ہو تو اس سے نفس ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ ہاں! کمال ایمان میں خلل ہوگا اور شرع شریف نے بغیر تصفیۂ باطن کے بھی نفس ایمان کی صحت پر فیصلہ دیا ہے۔

خاکسار نے عرض کیا اگر کسی نے اپنے اوپر لازم کرلیا تب بھی اس کو زوائد کی قسموں میں کہیں گے؟ ارشاد ہوا کہ اگرچہ اس نے لازم کرلیا ہے پھر بھی وہ زوائد میں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ لازم کرلینے سے وہ فرض عین ہوجائے۔ ہاں! اس کو فرض حالی کہیں گے لیکن والدین کی خوشنودی تو فرض عین ہے اور قرآن کریم سے ثابت بھی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ فرض کی دو قسمیں ہیں ایک فرض لازم اور دوسرا فرض زوائد۔ فرض لازم میں نماز پنجگانہ، رمضان کا روزہ، ایمان لانا اور دوسرے فرائض ہیں۔ فرض زوائد جیسے نماز جنازہ اور جہاد کرنا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ جہاد میں جائے تو والدین کی رضامندی شرط ہوگی لیکن اگر اسی جہاد کا اعلانِ عام ہوگیا تو فرض لازم ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں والدین کی رضامندی شرط نہیں ہوگی۔

مجلس - ۴۲

حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔افطار کے بعد قاضی اشرف الدین نے عرض کیا جوگیوں کو پرواز کی جو قوت حاصل ہوتی ہے کیا اس قوت سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتے ہیں؟ حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ ہاں! وہ ایسا کر سکتے ہیں لیکن پورے طور پر نہیں۔اس کا تعلق مجاہدہ اور ریاضت سے ہے اور اس معنی میں مومن و کافر دونوں برابر ہیں جب کسی سے بشریت غائب ہو جاتی ہے تو روح کو قوت مل جاتی ہے اور اس میں ہلکا پن پیدا ہو جاتا ہے اور اسی ہلکا پن کی صفت سے پرواز کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اور پانی پر چلنا بھی اسی معنی میں ہے، ثقل بشریت جب غائب ہو جاتی ہے تو سُبک یعنی ہلکا پن ہو جاتا ہے اور اسی سُبک اور ہلکا پن سے پانی پر چلنے لگتا ہے اور اگر ثقل بشریت موجود ہے اور پانی پر چلتا ہے تو ایسی ہی صورت میں ڈوب جاتا ہے اور جو شخص پانی پر نہیں چل سکتا ہے وہ اسی ثقل بشریت کی وجہ سے نہیں چل سکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا اس میں رہبانیان، جوگیوں سے بڑھے ہوئے ہیں یہ لوگ سخت مجاہدہ اور ریاضت کر کے اپنے کام کو اُس مقام پر پہنچا دیتے ہیں جہاں اِن کو کشفِ روحی حاصل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگوں کو اشراق بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

سکندر نے دریافت کیا اشراق کسے کہتے ہیں؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ دل کی باتوں پر اطلاع کو اشراق کہتے ہیں یعنی اگر کسی کے دل میں کوئی بات آئی تو اس کی اطلاع ان صاحبانِ اشراق کو ہو جاتی ہے، اسی کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ

شمس الدین خوارزمی نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میرے والد تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے اس سفر میں ایک پہاڑ کے پاس پہنچے، اُس پہاڑ کے اوپر ایک راہب کی قیام گاہ تھی، اُس پہاڑ کے اوپر جانے کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا اور اُس راہب نے اپنے کھانے کا خاص انتظام کر رکھا تھا یعنی جب کئی روز کے بعد اس کو بھوک لگتی اور کھانے کی خواہش ہوتی تو وہ ایک ڈول رسی سے باندھ کر پہاڑ کے دامن میں اُس راستے پر لٹکا دیتا جہاں سے تجارت کرنے والے گذرتے تھے جو مسافر اُس پہاڑ کی طرف سے گذرتے وہ سمجھ جاتے تھے کہ اس پہاڑ پر کوئی راہب رہتا ہے اور اُس کو کھانے اور پھل کی ضرورت ہے لہٰذا اُس ڈول میں کھانے کی چیزیں ڈال دیتے اور وہ ڈوری کو اوپر کھینچ لیتا، کھانا یا پھل جو کچھ اُس ڈول میں ہوتا کھا لیتا۔ جب ہمارے والد وہاں پہنچے تو ان کے دوست ساتھی بھی ان کی مصاحبت میں تھے، اچانک انہوں نے دور سے دیکھا کہ پہاڑ سے ایک ڈول نیچے آرہا ہے۔ میرے والد نے کہا یہ ڈول اسی راہب کا ہے اُس کے لئے اِس میں کچھ دے دوں، اُسی وقت اُن کے ایک ساتھی نے کہا میں زہر دے دوں گا۔ اُن کا یہ کہنا تھا کہ اُس راہب نے اشراقِ باطن سے سمجھ لیا اور ڈوری کو اوپر کھینچ لیا اس کے بعد میرے والد نے اُن سے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ اس کے بعد اُس راہب نے دوبارہ ڈوری نیچے لٹکائی اور انہوں نے اسی وقت اس ڈول میں کھانا اور پھل ڈال دیا۔

سکندر نے دریافت کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص بڑھاپے میں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہو؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بڑھاپے میں کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ بڑھاپے میں تو دوا کی ضرورت پڑ جاتی ہے، دوا کے بغیر کچھ کھایا نہیں جا سکتا، بڑھاپے میں ہڈیاں ٹوٹ

جاتی ہیں مجاہدہ کیسے کرسکے گا یہاں تک کہتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر کے بعد اگر کوئی اس راہ میں داخل ہوتا ہے اور کمال حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسا نہیں ہوسکتا ہاں! شاذ و نادر۔

اسی وقت شیخ معز الدین نے عرض کیا بعض جگہ ایسا مرقوم ہے کہ فلاں بزرگ کو ستر برس کی عمر میں کشادکار ہوا، اس کا محمول کس پر کریں گے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کو یوں سمجھئے کہ چالیس سال سے پہلے تک وہ مجاہدہ اور ریاضت میں استقلال حاصل کرچکا تھا اور درست ہوچکا تھا، یہاں تک کہ وہ بوڑھاپے کی حد میں داخل ہوگیا اُس وقت تک اُس نے باطن میں کشائش نہیں پائی اور ستر سال کی عمر میں کشائش پیدا ہوئی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بوڑھاپے کی حالت میں ریاضت اور مجاہدہ کی ابتدا کی اور اس مشغولیت کے بعد کشودکار ہوا اور دوسری بات یہ ہے کہ میں نے امکان کی نفی نہیں کی ہے (یعنی میں نے یہ نہیں کہا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا) ہاں! غالب یہی ہے۔

اُسی وقت قاضی اشرف الدین نے سوال کیا کہ از روئے علم یہ معلوم ہو جاتا ہے (یعنی اشراق پیدا ہوتا ہے) اور مجاہدہ اور ریاضت سے جو کرامتیں پیدا ہوتی ہیں وہ کھانے پینے کے ترک سے وابستہ ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اگر کوئی شخص کھانے پینے کی زیادتی کو یہاں تک ترک کردے جہاں معنیٔ روح ہے تو وہ ان سب کو معلوم کرسکتا ہے اور پاسکتا ہے۔

مجلس - ۴۳

زمیں بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ۲۹ کو چاند

دیکھا گیا تو عید جمعرات کو ہوگی اور اگر کسی نے ۳۰ کو دیکھا تو عید جمعہ کو ہوگی۔ اگر جمعہ کو عید ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ دو عید ایک دن میں جمع ہو جائے، اس کے بعد فرمایا جامع صغیر کی روایت ہے کہ عیدان ان اجتمعا فی یوم واحد الاول سنۃ والثانی فریضۃ ایک دن میں دو عید کا اجتماع ہوگیا پہلی عید (عید الفطر) سنت ہے اور دوسری عید (جمعہ) فرض ہے۔

مولانا عارف زاہد نے عرض کیا آج کی رات شب قدر ہے یہ روایت کہاں سے آئی ہے کہ اِس رات میں دہی کھانے کو کہا گیا ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ روایت ظاہر کی گئی ہے اور میں نے اس روایت کو کہیں دیکھا ہے۔

اس کے بعد فرمایا اِس طرح کی مثالیں بہت ہیں کہ مسلمانوں کے اندر کچھ چیزیں ایسی مشہور ہوگئی ہیں جن کے بارے میں کوئی اصل اور نقل نہیں ملتی لیکن پھر کبھی نہ کبھی اس کے بارے میں کوئی روایت ضرور مل جاتی ہے۔

اگر ایسا کوئی دینی کام دیکھیں جو مسلمانوں کے یہاں مشہور و معروف ہے اور فی الحال اس کے بارے میں کوئی اصل اور نقل نہیں پاتے تو اس کی نفی (انکار) نہیں کی جائے خود وہ عمل نہیں کریں اور اگر کوئی کرتا ہے تو منع بھی نہ کریں اس لئے کہ جب مسلمانوں کے درمیان مشہور و معروف ہے تو ہوسکتا ہے کہ اُس کی اصل اور نقل بھی ہو جہاں تک اُس کی رسائی نہیں۔ تو اس کا انکار کرنا دشوار ہو جائے گا۔ اتنا ضرور خیال رکھیں کہ وہ دینی کام جو مسلمانوں کے درمیان مشہور و معروف ہوگیا ہے اور اس مشہور کام پر تمام مسلمان عمل کرتے ہیں تو نہ اُس سے انکار کریں اور نہ دوسروں کو اِس سے منع کریں بس اتنا ہو کہ خود اُس وقت تک عمل نہ کریں جب تک اُس کی کوئی اصل یا نقل نہ مل جائے یا کسی ایسے قابل اعتماد

صاحب دین کو جن کے دین اور دیانت پر اعتماد ہو کرتے نہ دیکھ لیں اُس وقت تقلید کے طور پر کریں لیکن اس کا انکار نہ کریں اس لئے کہ مسلمانوں میں جو رائج اور مشہور ہے امکان قوی یہی ہے کہ یقیناً اِس کی اصل و نقل ہے اور کہیں نہ کہیں سے ضرور ہے۔

چنانچہ میں نے خود مسلمانوں کے یہاں کچھ چیزیں ایسی دیکھیں جو پہلے تو مجھے مکروہ معلوم ہوئیں کہ یہ عمل کہاں سے کرتے ہیں، بعد میں ان کے متعلق روایتیں مل گئیں، مثلاً عورتوں میں مشہور ہے کہ لہسن پیاز کے چھلکے کو گھر میں نہیں جلانا چاہئے پہلے تو مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اس کی سند کہاں سے ہے کہ نہیں جلانا چاہئے۔ آخر جن کاموں کے کرنے سے افلاس اور غربت آتی ہے اُس کے باب کو دیکھا تو وہاں یہ تحریر موجود تھی کہ لہسن اور پیاز کا چھلکا جلانا افلاس لاتا ہے۔ اسی طرح میں نے سنا کہ دروازے کی چوکھٹ پر نہیں بیٹھنا چاہئے، اِس سے بھی غربت آتی ہے تعجب ہوا کہ اس کی سند کیا ہے، آخر اسی باب میں دیکھا جس میں افلاس اور غربت آنے کے اسباب کو بیان کیا ہے اُس میں یہ موجود ہے جو گھر کے دروازے (چوکھٹ) پر بیٹھتا ہے وہ غربت کو دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح گھروں میں اور دوسری جگہوں میں سنتا تھا کہ رات کے وقت جھاڑو نہیں لگانا چاہئے، یہ بھی اُسی باب میں مرقوم ہے کہ جو رات کے وقت گھر میں جھاڑو لگاتا ہے وہ گھر میں غربت کو لاتا ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ جب تک میں نے شب ستائیس کو دہی کھانے کی روایت[1] کتابوں میں نہیں دیکھی تھی منع کرتا تھا۔ آخر مولانا نظام الدین کو ایک جگہ یہ روایت مل گئی اُس روایت میں اس کا بہت زیادہ ثواب بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ آج کی رات[2] بارہ رکعت نماز ہے، چار چار رکعت کر کے پڑھیں، ہر

رکعت میں الحمد ایک بار، انا انزلناہ تین بار، قل ھو اللہ دس بار نماز سے فارغ ہونے کے بعد کلمہ تمجید سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم سو بار پڑھیں۔

اسی درمیان ثمر نے عرض کیا کہ اس رات میں سو رکعت نماز بھی پڑھنے کو کہا گیا ہے، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ تو شب برأت میں ہے، ایک روایت میں آج کی رات بھی ہے جو بعض جگہ مرقوم ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس رات کو زندہ رکھا جائے یعنی شب بیداری کی جائے جو ہو سکے خواہ تسبیح میں، تلاوتِ قرآن میں، درود ہو یا استغفار میں مشغول رہیں۔

خاکسار نے عرض کیا ان سب میں اولیت کس کو حاصل ہے تاکہ اسی میں مشغول رہا جائے اور کس عمل میں مشغول رہنے سے کشائش حاصل ہوگی۔ ارشاد ہوا کہ اس بارے میں خود جاننا چاہیئے کہ میری طبیعت کس طرف راغب ہے لیکن نماز سب کو جامع ہے۔ اور جب کسی کام کے کرنے سے طبیعت اکتا جائے تو اسی وقت اس کام کو چھوڑ دیں اور دوسرے کام میں لگ جائیں اس لئے کہ جب دل اکتا جاتا ہے تو پھر اسی کام میں مشغول رہنا بہت مشکل ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اسی وقت چھوڑ دیں تاکہ دل پر بار نہ ہو اور طبیعت اچٹ نہ جائے اور جب اسی وقت اس کو چھوڑ دیا اور دوسرے کام میں مشغول ہو گیا تو اس طریقے سے مشغولی کی خصلت (عادت) پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اس طرح عمل کرنے سے بھی طبیعت پر بوجھ معلوم ہو تو خلوت سے باہر نکل آئیں، اپنے ہم جنسوں کے پاس چلے جائیں، تھوڑی دیر ان کے ساتھ رہیں تاکہ ان سے مدد اور استعانت حاصل ہو اور دوسرے کام میں مشغولی پیدا ہو جائے۔

مجلس - ۴۴

حاضری کی سعادت میسر ہوئی، قاضی اشرف الدین نے دریافت کیا اگر کسی نے خواب میں دیکھا کہ روزے کے دن میں تمام مسلمان کھا رہے ہیں تو اس کی کیا تعبیر ہوگی؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی تعبیر غیبت سے کی جائے گی اس لئے کہ غیبت روزہ کو توڑنے والی ہے یہاں تک کہ حدیث ہی ہے رُب صائم لیس لہٗ مِن الصیام الا الجوع والعتش (بہت سارے روزہ دار ایسے ہیں جن کو بھوک اور پیاس کے سوا روزے میں کچھ حاصل نہیں ہوتا) اس حدیث کی تاویل بھی غیبت سے کی جائے گی۔

شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ اس رات کو زندہ رکھنے سے (شب بیداری کرنے سے) شب قدر کا ثواب ملے گا؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص آج کی پوری رات اللہ تعالٰی کی عبادت میں گذارے تو اسے ہزار مہینوں کا ثواب ملے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس لئے کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۵ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَھۡرٍ [القدر/ ۳] (شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) ہزار مہینوں کا تعین جو کیا گیا ہے اس کا قصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا تھا جو دن میں روزے رکھتا، کچھ نہ کھاتا اور رات کو قیام یعنی عبادت میں رہتا۔ اسی طرح اس نے ہزار مہینے گذارے۔ ایک دن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مجلس پاک میں اس شخص کا تذکرہ نکل آیا اور جب اس کا قصہ بیان ہوا تو صحابہ کرام کو بھی اس کی تمنا ہوئی اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگوں کی عمر ہی کیا ہوتی ہے کہ ایسی مشغولی اختیار کر سکیں۔ کاش اتنی عمر ہوتی کہ ایسی ہی عبادت کرتے۔ اسی وقت یہ سورہ (یعنی سورہ انا انزلناہ) نازل ہوئی کہ اگر

بنی اسرائیل کے اس شخص نے ہزار مہینے خود کو عبادت اور طاعت میں مشغول رکھا تو میں نے تمہیں ایک ایسی رات بخشی جو بنی اسرائیل کے اُس آدمی کے ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ جو شخص اس رات کو نماز اور عبادت میں گزارے گا اُس کو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ثواب بخشوں گا۔

مجلس - ۴۵

زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا لطیف الدین نے عرض کیا ''ریاحین'' میں یہ عبارت آئی ہے کہ عید کے دن ہر مومن کے دروازے پر دو فرشتے مقرر ہوتے ہیں۔ جب وہ صاحب خانہ عید کی نماز کے لئے باہر آتا ہے تو وہ دونوں فرشتے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، ایک کے ہاتھ میں علم (جھنڈا) ہوتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں گرز۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گُرز اس وجہ سے ہوتا ہے کہ شیاطین اُس دن قید سے آزاد کر دئے جاتے ہیں۔ لہٰذا اُن کو دفع کرنے کے لئے گُرز ہوتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں عَلم مومنوں کی بزرگی اور بڑائی کے اظہار کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مشاہدے میں بھی یہی ہے کہ عَلم فوج کے افسر کے لئے ہوتا ہے۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہیں کہیں لکھا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود کی حقیقت حق سبحانہ تعالیٰ کے نور کا پرتو ہے۔ اس جملے کا کیا معنی ہوگا؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پرَتو سے واللہ اعلم یہ مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وجود

حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات پاک کے وجود کی ہستی سے ہے بغیر کسی تجزیہ، تبعیض اور تنقیص کے۔ جس طرح آئینہ میں صورتِ داخلہ کا صورتِ خارجیہ سے پیدا ہونا بغیر کسی تجزیہ، تبعیض اور تنقیص کے ہے۔

خاکسار نے سوال کیا تمام عالم کا وجود بھی حق سبحانہ تعالیٰ کی پاک ذات کی ہستی سے ہے تو رسول علیہ السلام کی تخصیص کا کیا معنیٰ ہوا؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تخصیص یوں کی جائے گی کہ رسول اللہ ﷺ کے وجود کا ظہور حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی کے وجود سے بغیر کسی واسطہ کے ہے لیکن عالم کا وجود رسول اللہ ﷺ کے عکس سے ہے، لہٰذا تمام عالم اگرچہ حق تعالیٰ کی ہستی سے ظہور میں آیا ہے لیکن یہ سب رسول اللہ ﷺ کے وجود کے عکس کے واسطہ سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کا وجود بغیر واسطہ کے ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ ایک بزرگ نے بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ساری مخلوقات و موجودات کا مبداء روحِ انسانی ہے اور ارواحِ انسانی کا مبداء محمد رسول اللہ ﷺ کی روحِ پاک ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحِی اور کسی روایت میں نوری بھی ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس لئے کہ پیدائش (تخلیق) کی مثال درخت کی ہے اور خواجہ عالم (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) اُس درخت کے پھل ہیں اور درخت حقیقت میں پھل کے بیج سے ہے تو سب سے پہلے نور احدیت کا پرتو محمد ﷺ میں ظاہر ہوا جیسا کہ ارشاد ہے اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ (میں اللہ کے نور سے ہوں اور سارے مومن مجھ سے ہیں)۔

اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں عقل کے ذریعہ غور و

خوض نہیں کرنا چاہیے، یہ تو عالم مکاشفہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

پھر فرمایا ارباب معانی جن کو اہل وحدت کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ وجود عالم کے جملہ ذرات کو اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ ویسی ہی نسبت ہے جیسی آئینہ کی صورتِ داخلہ کو صورتِ خارجہ کے ساتھ ہے۔ جملہ عالم کی ہستی جو دکھائی پڑتی ہے وہ ہے وہ نہیں۔ جس طرح کہ آئینہ میں صورتِ داخلہ (یعنی جو شکل) دکھائی دیتی ہے لیکن وہ ہے نہیں یہ بھی اسی اصل سے ہے نہ کہ وجود حقیقی ہے۔ وجود حقیقی تو خاص خداوند تعالیٰ کے لئے ہے اس لئے کہ واجب الوجود وہی ہے دوسرے کو جو وجود حاصل ہے وہ اسی واجب الوجود کی ایجاد سے ہے، ورنہ وہ اپنی ذات سے تو مستحق عدم ہی ہے۔ اہل معرفت کی نگاہ جس چیز پر بھی جاتی ہے ان کی پہلی نگاہ اس چیز کے عدم ہی پر پڑتی ہے۔ اور یہ جو اکثر جگہ مذکور ہے کہ کسی دوسری چیز کا وجود ہی نہیں یہ اسی نگاہ کی وجہ سے ہے اور یہ جو کہتے ہیں كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ [الرحمن/٢٦] (جو کچھ زمین پر ہے سب کو فنا ہے) اس کا راز قیامت کے دن سب پر روشن ہو جائے گا لیکن اہل معرفت پر تو آج ہی روشن ہے اور یہ اسی نگاہ کی وجہ سے ہے۔

مولانا لطیف الدین نے عرض کیا یہ جو کہتے ہیں کہ الشیخ یحیی و یمیت (شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) یہ قول کہیں نگاہِ مبارک سے گذرا ہے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں۔ میری نگاہ نہیں پڑی ہے مگر اس زمانہ میں ہر شخص سے سنتا ہوں۔ ہاں! اگر کہیں یہ قول تحریر ہے تو اس کی تاویل کی جائے گی۔ اسی وقت مولانا لطیف الدین نے اس تاویل کے متعلق سوال کر دیا کہ اس کی کیا تاویل ہوگی؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں احیا اور اماتت (زندہ کرنا اور مارنا) دوسرا ہی معنی ہے۔

اماتت (مارنا) صفات ذمیمہ میں ہے یعنی مرید میں جو بری صفتیں ہوتی ہیں ان کو مردہ بنادیتے ہیں یعنی دور کردیتے ہیں۔

احیاء (زندہ کرنا) صفات حمیدہ ملکی صفتوں میں ہے یعنی جو اچھی صفتیں ہیں وہ ان میں پیدا کردیتے ہیں۔

احیاء و اماتت (زندہ کرنا اور مارنا) کے یہی معنی ہیں۔ اسی کو گردش کہتے ہیں۔

حیات معنوی اور موت معنوی کی چند قسمیں ہیں جیسے :

الایمان حیاۃ و الکفر موت (ایمان حیات ہے کفر موت ہے)

الطاعۃ حیاۃ و المعصیۃ موت (عبادت زندگی ہے گناہ موت ہے)

العلم حیاۃ و الجھل موت (علم حیات ہے جہالت موت ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کلمہ منقول ہے جو نہایت مہیب ہے اور وہ یہ ہے جو انہوں نے فرمایا انا اصغر منہ بشیئین یعنی میں چھوٹا ہوں ان دو چیزوں سے۔ یہ جملہ سنتے ہی ہیبت معلوم ہوتی ہے اور جہاں یہ کلمہ تحریر ہے اس کی شرح نہیں کی گئی ہے لیکن انہیں کی کتابوں کے مطالعہ سے اس کی تشریح ہو جاتی ہے، انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ سالک کو ہر لحظہ اور ہر لمحہ ترقی ہوتی ہے، وہ سلوک طئے کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے اندر کے تمام معانی وکلمات کا حاصل ہو جانا ممکن ہے اور پھر اس وقت اس مقام پر اس کی رسائی ہو جاتی ہے جہاں صرف یہی دو چیزیں باقی رہ جاتی ہیں :- وجودنا منہ وقیامنا بہ (ہمارا وجود اسی سے ہے اور ہمارا قیام اسی پر ہے) منصور حلاج کا انا اصغر منہ کہنے سے یہی دو چیزیں مراد لی گئی ہیں۔ واللہ اعلم

اس کے بعد حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی تعجب کے ساتھ فرمایا کہ اسی سے سمجھنا چاہئے کہ ان کو کیا کیا کمالات حاصل ہوتے ہیں، مگر یہ دو چیزیں کہ "اپنی خودی کے ساتھ موجود نہ ہوں اور اپنی خودی کے ساتھ قائم نہ ہوں" دوسری ہی چیز ہے۔ فرق ان ہی دو چیزوں میں ہے۔

اسی موقع پر مولانا لطیف الدین نے عرض کیا کہ بعض درویش سے منقول ہے کہ انہوں نے کسی کو کہہ دیا "مرجا" اور وہ مرگیا۔ کسی کو کہہ دیا "زندہ ہوجا" اور وہ زندہ ہوگیا۔ اس کو کس معنی پر محمول کریں گے؟ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ احیاء واماتت (زندہ کرنا و مارنا) خاص اللہ کی جانب سے ہوگا اور یہ اللہ کا کرم ہے جو اس بزرگ سے ایسی کرامت کا ظہور ہوا۔ اور یہ احیاء واماتت کی صفت جو درویشوں اور بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے معنی کے رو سے ہے اس لئے کہ ان سے جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ سب معنی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس شعر کی تاویل بھی اسی معنی میں ہے ؎

صوفیاں در دمے دو عید کنند
عنکبوتاں مگس قدید کنند

(صوفی ایک سانس میں دو عید مناتے ہیں اور مکڑے مکھیوں کے شکار میں لگے رہتے ہیں۔)

یعنی سالک ہر ایک سانس میں صفاتِ ذمیمہ (برے خصائل) سے نکل آتا ہے اور صفاتِ حمیدہ میں داخل ہوجاتا ہے جب صفتِ ذمیمہ سے نکل آیا تو ایک عید ہوئی اور جب صفتِ حمیدہ حاصل کی تو دوسری عید ہوئی۔ سالک جس وقت صفتِ ذمیمہ سے باہر نکلتا ہے تو اسے خوشی اور فرحت حاصل ہوتی ہے اسی طرح جب صفتِ حمیدہ حاصل کرتا ہے تو شادمانی اور مسرت سے ہمکنار ہوتا ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاویل یوں کی ہے ؎

یک بار زاید آدمی من بار ہا زائیدہ ام

(آدمی ایک بار پیدا ہوتا ہے اور میں بار بار پیدا ہو رہا ہوں)

یعنی جب صفتِ ذمیمہ سے باہر نکل آیا تو اس کے لئے یہی ولادت ہوئی۔ اس لئے کہ تولد کسی دوسرے سے خروج ہی کو کہتے ہیں۔

مجلس - ۴۶

عید کے دن قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ عید گاہ میں قاضی کی محفل (یعنی قاضی کی موجودگی) میں ایک طالب علم نے یہ سوال اٹھا دیا کہ عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے اور تحیۃ المسجد کے سلسلے میں ایک حدیث مروی ہے اِذَا دَخَلْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَحَيُّوهَا بِرَكْعَتَيْن (جب تم مسجد میں داخل ہو تو اس داخلہ کا شکرانہ دو رکعتیں پڑھ کر ادا کرو) تو اس حدیث کی روشنی میں چاہئے کہ عید کے مصلیٰ پر پہنچنے کے ساتھ ہی دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کریں۔ اس موضوع پر طلباء کے درمیان بحث ہونے لگی آخر امام عید کے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔

جب حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ عید کی نماز کے بعد دولت خانہ پر واپس آئے اور مقام متبرکہ پر تشریف فرما ہوئے تو شہر کے اکثر طلباء بھی ساتھ آئے اور سب بیٹھ گئے۔ عید کے کھانے سے پہلے حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں سن رہا تھا کہ قاضی کی محفل میں بحث چھڑ گئی ہے اور کوئی

متعلم کہہ رہا تھا کہ کس راہ سے آنا چاہتے ہو مناقشہ سے، ممانعتہ سے یا معارضہ سے۔

اس قدر بحث کی کیا ضرورت تھی؟ بس یہی جواب کافی تھا کہ اِذَا دَخَلْتُمْ فِی الْمَسْجِدِ فَحَیُّوهَا بِرَکْعَتَیْن حدیث ہے، لیکن عید گاہ تو مسجد نہیں ہے لہٰذا اعتراض پیدا ہی نہیں ہوتا۔ عید گاہ کو کوئی بھی مسجد نہیں کہتا ہے اور مسجد کے احکام اس پر صادر نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود اگر کسی دن ایک گھنٹہ کے لئے مسجد کا حکم ہو بھی جائے تو صرف ایک حکم کی صحت ہوگی مسجد کے دوسرے احکام کا نہیں (یعنی مسجد کے اور دوسرے احکام جو ہیں وہ اس پر صادر نہیں ہوں گے)۔

حاضرین مجلس کو اس جواب سے پوری تشفی ہو گئی، سب نے سرِ تسلیم خم کیا اور کہا بے شک ایسا ہی ہے اور یہی جواب ہے جو حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے۔

مجلس - ۴۷

مغرب کی نماز کے بعد ہم نشینی کی سعادت حاصل ہوئی۔ کھانے کے بعد خاکسار نے عرض کیا کہیں یہ تحریر دیکھی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں بہشت نہیں چاہتا ہوں مجھے خدا کا دیدار چاہیئے تو ایسا کہنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے آخر کفر کی وجہ کیا ہے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مومنوں کے لئے بہشت خدا کا حکم ہے اسی طرح دوزخ کافروں کے لئے ہے لہٰذا اگر کوئی کہتا ہے کہ میں بہشت نہیں چاہتا ہوں تو شرع کے حکم کا رد ہوتا ہے اور شرع کے حکم کا رد و انکار کفر ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو حکم کتاب یا سنت متواتر سے ثابت ہے اگر کوئی اس حکم کا اپنے قول و فعل سے انکار کرتا ہے یا رد کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس میں جو کفر لازم آتا ہے اس کا معنی یہی ہے کہ قرآن یا سنت متواتر کے رد یا انکار کے تحت آتا ہے یعنی قرآن اور سنت متواتر کا رد و انکار کفر ہے، اس لئے یہ بھی کفر ہوگا جیسا کہ کسی چیز کی حرمت (حرام ہونا) قرآن یا سنت متواتر سے ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے حلال اور حرام ہونے کے لئے دلیل قطعی چاہئے اگر کوئی حرام کو حلال سمجھتا ہے تو کفر لازم آتا ہے اس میں کفر کا لازم آنا اسی سبب سے ہے کہ اس حرام کو حلال جاننے سے نص قرآنی یا سنت متواتر کا انکار ہوتا ہے اسی طرح ہر جگہ یعنی ہر مسئلہ میں حرام کو حلال جاننا اور حلال کو حرام جاننا کفر ہے یہاں بھی (یعنی مسئلہ مذکورہ میں) جو میں نے کفر کہا وہ اسی معنی میں ہے۔

خاکسار نے سوال کیا کہ مشائخ کے کلمات میں اکثر جگہ یہ آیا ہے کہ میں بہشت نہیں چاہتا ہوں تیرا دیدار چاہتا ہوں اس کو کس معنی پر محمول کریں گے؟

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسی عبارت کسی سے منقول ہی نہیں ہے اگر ہو بھی تو اس میں انہوں نے اپنی ہمت کو بیان کیا ہے اس کا ترک نہیں کیا ہے۔ بندگی کے جو شرائط ہیں اُن کو اِن حضرات نے بجا لایا ہے اور بار ور کیا ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اپنی ہمت کو بیان کیا ہے تو اس سے شرع کے حکم کا انکار نہیں ہوتا ہے اور جہاں بہشت کی تمنا کی ہے وہاں بھی اسی پر محمول ہے کہ بندگی کی شرط کو بجا لائے ہیں نہ یہ کہ بہشت ان کی ہمت کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ عالم محبت میں محب اور محبوب کے درمیان جو کچھ گذرتا ہے کہا جاتا

ہے کہ لَا یُدْرِکُہُ العقول عقل کی وہاں پہنچ نہیں۔ اور عقل کی بحث کو وہاں دخل نہیں۔ علمائے ظاہر کا اس جماعتِ صوفیاء کے ساتھ ہنگامہ کی وجہ یہی عقل ہے۔ دونوں جہان میں شراب اور انگور نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

❋ ❋❋

حواشی

نمبر شمار	مجلس	حواشی
۱	پیش لفظ	اس نسب نامہ کا ماخذ روضۃ النعیم صفحہ ۱۱۴، آبائی نسب نامہ قلمی مرتبہ شاہ فضل الرحمٰنؒ (کرجرہ) اور نسب نامہ مسعودی قلمی ہے۔
۲	۱	یہ نبی پر امت کی فضیلت کے بجائے نبی پر یقین کامل، ایمان واثق اور اس پر استقامت کے جزاو بدلہ کی سرعت کا معاملہ ہے کہ بعض امتی فوراً اس مقام تک پہنچا دیے جاتے ہیں جس پر وہ نبی کے کہنے پر ایمان لاتے ہیں، نبی کا خود جنت میں پہنچنے کے بجائے امتی کو جنت میں لے جانا کمال ہے
۳	۳	شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر، خراسان کے نواح مہنہ میں ۳۵۷ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد مرو جا کر ابوعبداللہ الحصری سے فقہ کی تحصیل کی آپ نے حضرت ابوالفضل حسن سرخسی، ابوالعباس احمد قصاب اور ابوالحسن علی خرقانی سے معنوی فیوضات حاصل کئے اور حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی نے خرقہ خلافت سے نوازا تھا آپ فارسی کے مشہور صوفی شاعر تھے، آپ کے قطعے اور رباعیاں تصوف کے اسرار و رموز سے بھرے ہیں، ۴۴۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔

نمبر شمار	مجلس	حواشی
۴	۴	حضرت امام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ سلجوقی دور کے مشہور اور بلند پایہ عالم تھے، ۴۵۰ھ میں بہ مقام طوس پیدا ہوئے آپ کو فقہ اور حکمت میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ آپ نظام الملک طوسی کی دعوت پر مدرسہ نظامیہ میں چار سال تک درس دیتے رہے۔ آپ نے فقہ، حکمت، اخلاق، کلام، قرآن اور حدیث کے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں جن میں احیاء العلوم کو سب سے زیادہ شہرت ہوئی، ۵۰۵ھ میں بہ مقام طوس انتقال ہوا۔
۵	۴	اب یہ شہر مملکت ہاشمیہ اردنیہ کا ایک شہر ہے جو بیت المقدس سے تقریباً ۱۵-۱۶ میل پر واقع ہے اس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ شرفاء اور صلحاء کی یہ قدیم بستی ہے (تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ۳)
۶	۶	سنار گاؤں مسلمانوں کے عہد میں مشرقی بنگال کا دارالحکومت تھا۔ اب یہ غیر معروف مقام ہے جو کس مپرسی میں پڑا ہوا ہے اور پینام کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے۔ دریائے برہم پتر اس سے دو کوس پر بہتا ہے۔ سنار گاؤں کے اطراف میں کثیر تعداد میں ویران مسجدوں کے نشانات پائے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ ایک بڑا اسلامی شہر تھا۔ یہ اس شاہی سڑک کا منتہی تھا جس کو شیر شاہ نے بنوایا تھا (تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ۳)

حواشی	مجلس	نمبر شمار
حضرت شرف الدین ابو توامہ حضرت مخدوم جہاں کے استاد تھے، آپ اپنے عہد کے ممتاز اور بلند پایہ عالم تھے، غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں دہلی سے سنار گاؤں منتقل ہو گئے۔ راستہ میں منیر شریف میں قیام کیا۔ حضرت مخدوم شرف الدین طلب علم کے شوق میں مولانا کے ساتھ ہو گئے۔ مولانا نے اپنے ہونہار شاگرد کی تعلیم و تربیت میں پوری محنت کی اور پھر اپنی صاحبزادی سے عقد بھی کر دیا	۶	۷
مطلوب حقیقی کی طلب میں سالک کا ایک حال سے دوسرے حال میں متبدل ہوتے رہنا اور ایک صفت سے دوسری صفت میں منتقل ہوتے رہنا تلوین ہے۔ (ماخوذ از اصطلاحات صوفیہ)	۸	۸
جب سلوک پورا کر کے سالک مطلوب حقیقی سے واصل ہو گیا تو یہ تمکین ہے (ماخوذ از اصطلاحات صوفیہ)	۸	۹
۳ میل کا ایک فرسنگ ہوتا ہے	۱۹	۱۰
استثناء بمعنیٰ انشاء اللہ کہنا (بحوالہ عربی لغات فیروزی ص ۲۲، اور غیاث اللغات فارسی ص ۳۰	۲۵	۱۱
اُچہ : موجودہ پاکستان میں ایک شہر ہے	۲۷	۱۲
حد ضرورت کی تعریف ترجمہ معدن المعانی باب ۴۴ میں ملاحظہ کریں۔	۲۹	۱۳

نمبر شمار	مجلس	حواشی
۱۴	۳۲	ہبہ علم فقہ کا ایک اہم مسئلہ ہے کسی چیز کے بخش دینے کو ہبہ، بخشنے والے کو واہب، جس کے لئے بخشے اُس کو موہوب لہٗ اور جو چیز بخشی جائے اُس کو موہوب کہتے ہیں۔ ہبہ ایجاب و قبول سے درست ہوتا ہے اور قبضہ سے پورا ہو جاتا ہے، ہبہ کی ہوئی چیز درج ذیل صورتوں میں واپس نہیں ہوگی:۔ ۱. دال- زیادت متصل- اگر موہوب لہٗ نے موہوب میں اپنی کوئی چیز ملادی ہو تو اس ہبہ کو واپس نہیں کر سکتے ہیں۔ ۲. میم- موت احدہما- اگر ہبہ کرنے والا یا جس کو ہبہ کیا جائے دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو ہبہ کی واپسی جائز نہیں ہوگی۔ ۳. عین- عوض- جس کو ہبہ کیا گیا ہے اگر وہ ہبہ کرنے والا کو ہبہ کا عوض اور معاوضہ دیدے تو ہبہ کی واپسی نہیں ہو سکتی۔ ۴. خا- خروج عین از ملک موہوب- اگر ہبہ موہوب لہٗ کی ملک سے بیع کر دینے کے باعث نکل گیا ہو تو ہبہ کی واپسی جائز نہیں ہوگی۔ ۵. زا- زوجیت- اگر کوئی چیز شوہر بی بی کو یا بی بی شوہر کو ہبہ کر دے تو اس کی واپسی درست نہیں ہوگی۔ ۶. قاف- قرابت - اگر کسی نے اپنی ذی رحم محرم (یعنی رشتہ دار) کے لئے ہبہ کر دیا ہے تو وہ واپس نہیں ہو سکتی۔ ۷. ھا - ہلاک موہوب - اگر ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہٗ کے پاس تلف ہوگئی تو ایسی صورت میں بھی ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی جائز نہیں ہے۔ مترجم (ماخوذ از اشراق نوری ترجمہ اردو قدوری)

نمبر شمار	مجلس	حواشی
۱۵	۳۷	حضرت عثمان ہارونیؒ کے ملفوظ کی عبارت کا اقتباس درج ذیل ہے:- "دعا گوی مسلمانان فقیر حقیر اضعف عباد اللہ معین الدین حسن سنجری کہ در شہر بغداد در مسجد خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز دولت پائبوس خواجہ عثمان ہرونی حاصل آمد مشائخ کبار بخدمت شیخ حاضر بودند ہمیں کہ ایں درویش روی بر زمین نہاد بایستاد فرمود دوگانہ نماز بگذار بگذاردم گفت مستقبل قبلہ نشیں بنشستم فرمود کہ سورہ البقر بخواں بخواندم فرمود بیست بار کلمہ سبحان اللہ بگو بگفتم آنگاہ خود بایستاد و روے سوئے آسمان کرد و دست من بگرفت کہ بیا ترا بخدائے تعالیٰ رسانیدم" (انیس الارواح مطبوعہ ص ۲)
۱۶	۳۸	درم = ساڑھے تین ماشے کا چاندی کا ایک سکہ دینار = ساڑھے تین ماشے کا سونے کا ایک سکہ
۱۷	۳۸	چیتل = تانبے کا ایک سکہ
۱۸	۳۹	ارول- یہ بہار شریف سے لگ بھگ ۵۴-۵۵ میل کی دوری پر واقع ہے اور اب خود یہ ضلع ہے، سون ندی کے کنارے جہان آباد ضلع اور آرہ ضلع کے سرحد پر واقع ہے یہ ہمیشہ سے مردم خیز بستی رہی ہے۔
۱۹	۳۹	مولانا شمس الدین یحیٰ بہت بڑے بزرگ، اوصاف حمیدہ سے متصف اور اپنے وقت کے مشہور و معروف عالم تھے۔ آپ کے تبحر علمی کی شہرت اس درجہ پہنچ چکی تھی کہ شہر کے بڑے بڑے استاد آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنا فخر سمجھتے۔ حضرت نصیر الدین محمودؒ نے بھی ابتدائی تعلیم آپ سے حاصل کی۔

نمبر شمار	مجلس	حواشی
		آپ بہت سے کتابوں کے مصنف تھے۔ حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ خلافت نامہ جو عربی زبان میں ہے سیر الاولیاء میں موجود ہے۔
۲۰	۳۹	اس واقعہ کو حضرت مخدوم حسن دائم جشنؒ ابن حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی فردوسیؒ نے اپنی تصنیفات کاشف الاسرار شرح حضرات خمس (ص ۵۵) اور لطائف المعانی (ص ۱۶) میں بہت ہی عارفانہ نکات کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور کاشف الاسرار (ص ۵۶) کے حاشیہ پر مولوی عبدالرحیم صاحب کا ایک نوٹ "خوان پرنعمت" کی عبارت کے ساتھ موجود ہے۔
۲۱	۳۹	پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت نمبر ۳۷ اسی واقعہ سے متعلق ہے اور اس میں "ما اللهُ مُبْدِيه" کا جملہ ہے۔
۲۲	۴۰	مجلس ۳۱ اور مجلس ۳۶ میں حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کے بھانجا کا نام اوحد الدین آیا ہے اور مجلس ۴۰ میں وحید الدین نام ہے۔ بظاہر تو فرق ہے، ممکن ہے کہ یہ فرق کتابت کی وجہ سے ہو خاندان شرفیہ کی روایات کے مطابق وحید الدین زیادہ صحیح ہے۔
۲۳	۴۰	مطبوعہ نسخہ میں جونپوری ہے
۲۴	۴۰	مجلس ۴ میں اسی صفت کے ایک بزرگ "علاء الدولہ والدین" کا نام آیا ہے ہو سکتا ہے کہ اس مجلس میں انہی کی طرف اشارہ ہو۔

حواشی	مجلس	نمبر شمار
آپ حضرت عماد الدین فردوسیؒ کے صاحبزادے، حضرت بدالدین سمرقندی کے مرید وخلیفہ تھے اور حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کے علاقائی بھائی اور پیر ومرشد تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء تحریر فرماتے ہیں کہ فردوسیہ سلسلے کی ابتدا حضرت رکن الدین فردوسیؒ سے ہوئی یعنی آپ ہی کو سب سے پہلے "فردوسی" کا لقب ملا۔ آپ کے گراں قدر مکتوب کا اقتباس بھی مناقب الاصفیاء میں موجود ہے، آپ کا مزار مبارک دہلی کے محلہ کیلوکھری میں ہے۔	۴۰	۲۵ے
سیر الاولیاء سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء نے مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار سبقاً سبقاً پڑھا اور مولانا نے حضرت نظام الدین اولیاء کو جو اجازت نامہ اور سند عربی زبان میں لکھ کر دیا وہ بھی سیر الاولیاء میں موجود ہے۔ (ترجمہ سیر الاولیاء ص ۱۱۲)	۴۰	۲۶ے
یہ خواجہ نظام الدین حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔	۴۰	۲۷ے
ایک خاص قسم کا لباس ہے جو کرتا سے چھوٹی اور بنیان سے بڑی ہوتی ہے۔	۴۰	۲۸ے
معدن المعانی باب ۵۲ جلد دوم	۴۰	۲۹ے
اس واقعہ میں بیعت رضواں کی طرف اشارہ ہے اور یہ سورہ فتح سے متعلق ہے، جب حضور ﷺ نے حدیبیہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر قریش کے پاس بھیجا کہ حضور عمرہ کے واسطے آئے ہیں	۴۱	۳۰ے

نمبر شمار	مجلس	حواشی
		جنگ کے لئے نہیں۔ تو کسی نے مشہور کر دیا کہ حضرت عثمان ؓ کو مکہ والوں نے شہید کر دیا ہے اس خبر سے مسلمانوں کا غم و غصہ بھڑک اٹھا اور آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے تمام مسلمانوں سے بیعت لی کہ عثمان بن عفان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے آخر میں حضور ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کی طرف سے اپنا ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے
۳۱	۴۳	اس روایت کو مخ المعانی مطبوعہ صفحہ ۶۴ میں دیکھ سکتے ہیں
۳۲	۴۳	شب قدر کی یہ نماز اوراد شرفی میں بھی موجود ہے۔
۳۳	۴۶	طعام عید = اس جملہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد مخدوم میں بھی عید کے دن کا کوئی مخصوص کھانا مقرر تھا۔

اشاریہ

اسماء الرجال

اسمائے کتب

اسماء اماکن

مژدۂ جاں فزا

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں

شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری فردوسی قدس اللہ سرہٗ

کے

خلیفہ و معتمد خاص

حضرت مخدوم شیخ احمد آموں فردوسیؒ

کے گراں قدر ملفوظات

"تحقیقات المعانی اور مطلوب المبارک"

کا اردو ترجمہ

انشاء اللہ بہت جلد منظر عام پر آ رہا ہے

KHWAN - I - PUR NI'MAT

MALFUZ

HAZRAT MAKHDOOM JAHAN SHAIKH SHARAFUDDIN AHMAD YAHYA MANERI FIRDAUSI (R.A)

COLLECTED BY

HAZRAT ZAIN BADAR ARABI FIRDAUSI(R.A)

TRANSLATED BY

M. ALI ARSHAD SHARFI FIRDAUSI

حضرت مترجم کی علمی خدمات

۱۔ ترجمہ مکتوبات بست وہشت
۲۔ ترجمہ خوان پرنعمت
۳۔ ترجمہ ارشاد الطالبین
۴۔ ترجمہ ارشاد السالکین
۵۔ ترجمہ فوائد رکنی
۶۔ ترجمہ شرح آداب المریدین (جلد اول)
۷۔ ترجمہ تفسیر زاہدی (سورۂ فاتحہ)
۸۔ ترجمہ رسالہ عینیہ
۹۔ ترجمہ الاصول العشرہ
۱۰۔ ترجمہ وصیت نامہ
۱۱۔ ترجمہ مناقب الاصفیاء
۱۲۔ ترجمہ مونس القلوب
۱۳۔ ترجمہ مکتوبات مخدوم حسین
۱۴۔ ترجمہ ملفوظ الصفر
۱۵۔ ترجمہ مخ المعانی (غیر مطبوعہ)
۱۶۔ ترجمہ تحقیقات المعانی اور مطلوب المبارک (زیر طبع)
۱۷۔ شرف الانساب
۱۸۔ حیات وآثار
حضرت جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی ثبات
(تحقیقی مقالہ) غیر مطبوعہ
۱۹۔ بہار شریف کے فارسی گو شعراء
(تحقیقی مقالہ) غیر مطبوعہ

PUBLISHED BY :

SHARAFUL ASHAET

GULZAR-E-IBRAHIM ,BHAINSASOOR,
BIHARSHARIF, NALANDA (BIHAR) 803101
E-mail : sharafulashaet@gmail.com
Mob : +91-9905319932,9899967913